إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ

سلسلہ اشاعت العلوم

بیادگار خطاب "سلطان العلوم" اعلیٰحضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

نمبر ۸

تعلیمات اسلام نمبر ۱

ـــ از خامہ ـــ

فخر الہند حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب مدفیضہ مہتمم دار العلوم دیوبند

ـــ باہتمام ـــ

جناب مولانا قاری حافظ محمد طیب و جناب
مولانا قاری حافظ محمد طاہر صاحبان سلمہما اللہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوکر

کتب خانہ قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور سے

شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

ارکان دار المؤلفین مثل دیگر تالیفات مرتبہ کے اس دُرِ منیف یعنی "تعلیمات اسلام"
مولفہ حضرت فخر الہند مولانا مولوی محمد حبیب الرحمٰن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند۔ کو بھی
بسلسلہ اشاعت العلوم بیادگار خطاب سلطان العلوم اعلیحضرت شہریار دکن خلد اللہ ملکہٗ و
سلطنتہٗ کی ذات اقدس و اعلیٰ کے اسم مبارک کی طرف منسوب کرنے کا فخر حاصل
کرتے ہیں:

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

عقیدتمندان بارگاہ سلطانی

ارکان دار المؤلفین دیوبند

بماہ شعبان المعظم ۱۳۴۷ھ مطابق
دسمبر ۱۹۲۸ء

تعلیمات اسلام

نمبر اوّل

مشورہ و استخارہ

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ خاتم النبیین وقائد الغر المحجلین سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین اما بعد

آج ہم ایک ایسے مسئلہ سے ابتدا کرتے ہیں جس سے ذوی العقول کے تمام افراد کو بہ فرق مراتب سابقہ پڑتا ہے امور خانہ داری سے معاملات مہمہ سلطنت تک اُس سے مستغنی نہیں ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ مشورہ محمود، اور اُس کا کاربند ہونا ہلاکت و پشیمانی سے نجات دینے والا طریق صواب کو منکشف کرکے فوز و فلاح تک پہونچانے والا ہے کامیابی اور حصول مقاصد کی کنجی یہی ہے اسی طرح استبداد و استقلال خود رائی کے مضر و مہلک نتائج، اور اس کی مذموم و قبیح ہونے سے کون سا فرد ناواقف ہے، بالخصوص یہ زمانہ جسکو باصطلاح خود اجتماع و مدنیۃ کا زمانہ کہا جاتا ہے اس میں تو مشورہ کو اس حد تک پہونچادیا گیا ہے جسکو دیکھکر بعض مواقع میں حد سے تجاوز کرنے، افراط میں مبتلا ہونے کا حکم لگادیا جاسکتا ہے، عقلاء زمانہ نے اس مسئلہ میں موشگافیاں کرکے اس کی تمام پہلوؤں کو منظر عام پر لاکر رکھدیا ہے اور اُس کے لئے وہ قواعد و ضوابط مدون کردئے ہیں جنکے بعد اب غالباً اُس کا کوئی پہلو قابل بحث و تفتیش نہیں رہا، اور نہ اس اعتبار سے اس مسئلہ پر ہمارا قلم اٹھانا شاید بے سود اور تحصیل حاصل سے زیادہ وقعت نہ رکھتا۔

لیکن جب مسلمانوں کا دعویٰ یہ ہے کہ دین اسلام نے تمام مکارم اخلاق اور ملکات فاضلہ کی تعلیم وتلقین کی ہے نوع انسانی کی کوئی حالت ایسی نہیں جسکی متعلق شریعت غرا نے جامع ومانع مفصّل و مشرح دستور العمل بنا کر ہیں نہ دیا ہو تو ضرورت ہوئی کہ ہم سب سے اوّل ایسی مسئلہ پر قلم اٹھائیں، جو ہر ایک بہتری کی کنجی، اور سعادت ونجات کی ضمانت ہے، اور دکھلا دیں کہ شریعت کی جامع تعلیم نے اس نہایت ضروری اہم اور عام مسئلہ کے اصول کی ہم کو کس حد تک تعلیم دی حکماء امت نے اس کی جزئیات میں کہاں تک موشگافیاں کیں، اور اہل فہم وادراک نے اس کی کہاں تک پابندی کی ہے۔

ہمارا بیان اس مسئلہ میں تین حصوں اور ایک ضمیمہ پر منقسم ہوگا حصہ اوّل میں لفظ مشورہ اور شوریٰ کے لغوی معنی اور اس کے اشتقاق کو بیان کریں گے جس سے لغت عرب کی خوبی اور وسعت، اس کے الفاظ و معنی کے باہمی تناسب کا بخوبی اندازہ ہو جائیگا، اور معلوم ہو جائیگا کہ زبان عرب کے متعلق اہل اسلام کا یہ دعویٰ کہ فصاحت و بلاغت اس کا حصہ ہے کہاں تک مطابق واقع ہے۔ حصہ دوم میں شوریٰ کی غرض وغایت، منافع ونتائج، قرآن وحدیث سے، مشورہ کا حکم اور اس کی فضیلت مشورہ کے شرائط امور مشورہ طلب کی تقسیم و تفصیل، سلف کے اقوال سے، استبداد وخود رائی کے نقصان ومفاسد بیان کئے جائیں گے، اور یہ بھی دکھلایا جائیگا کہ درصورت اختلاف صورت فیصلہ کیا ہونی چاہیے۔

حصہ سوم میں حکماء امت اور عقلاء متقدمین کے اقوال اور اس کے پہلوؤں کی تنقیح وتوضیح اور خلفاء اسلام وسلاطین کے مشاورات کے چند واقعات ذکر کئے جائیں گے ضمیمہ میں استخارہ مسنونہ کی بحث کی جائیگی۔

حصہ اوّل

زبان عرب میں چند الفاظ کا استعمال اس بارہ میں ہوتا ہی۔ نمبر (۱) مَشْوَرَۃ۔ نمبر (۲) شوریٰ۔ رائے دینا نمبر (۳) مُشَاوَرَۃ۔ باہم رائے زنی کرنا نمبر (۴) اِسْتِشَارَۃ۔ رائے طلب کرنا۔ یہ الفاظ ہیں جو خاص مشورہ اور رائے زنی کے موقع میں بولے جاتے ہیں، ایک لفظ اور بھی ہے۔

جس کا استعمال مخصوص اس بارہ میں نہیں ہے بلکہ صلہ کے بدلنے سے اُس کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ اور وہ لفظ اشارہ ہے اگر اشارہ کے صلہ میں اِلیٰ آتا ہے تو اس کے معنی محض کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے ہوتے ہیں، اور اگر علیٰ آتا ہے تو اُس کے معنی مشورہ دینے کے ہو جاتے ہیں۔ رہی وجہ اس کی کہ اشارہ کے مابعد اِلیٰ یا علیٰ کے آنے سے معنی کیوں بدلتے ہیں اُس کو ہم آگے بیان کریں گے۔ یہ پانچوں الفاظ اگرچہ باعتبار صیغوں اور ابواب کے مختلف ہیں مگر ماخذ اور موضع اشتقاق ان کا ایک ہے ان سب کی اصل شَوْرٌ ہے۔

ارباب فہم و دانش یہ معلوم کر کے بہت ہی مسرور ہوں گے کہ مشورہ و مشاورہ سے جو اصلی غرض ہے کہ چند مختلف ضعیف و قوی، صحیح و سقیم، حسن و قبیح، مخلصانہ و غیر مخلصانہ اقوال اور رایوں سے ایک عمدہ صحیح منتج رائے اور قول حاصل ہو جاوے۔ اور وہ صحیح رائے ذریعہ خرابیوں اور تباہیوں سے محفوظ رہنے اور مقاصد میں کامیابی و فلاح کا بن جائے اُس کا لحاظ ان الفاظ کے اشتقاق اور ترکیب میں پورا پورا ملحوظ ہے شَوْرٌ۔ چھتہ میں سے شہد نکالنے کو کہتے ہیں۔ شَارَ یَشُوْرُ اُس کا ماضی مضارع آتا ہے کہتے ہیں شُرْتُ العَسَلَ (میں نے شہد کو نکالا) مِشْوَارٌ اس لکڑی یا آلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے شہد نکالا جاتا ہے مِشْوَارَۃٌ اور شُوْرَۃٌ اُس موقع کو کہتے ہیں جہاں شہد کی مکھیاں شہد جمع کرتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ شہد جو ایک شیریں مفید اور نافع چیز ہے جس کو باری تعالیٰ نے شفاء للناس (وہ لوگوں کے لئے شفاء امراض ہے) فرمایا ہے جو وارونداہونیکی حیثیت سے تمام دنیا میں محبوب و مطلوب اور محتاج الیہ ہے مکھیوں کے چھتہ میں اُن کے زہر آلود ڈنکوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے اور شہد کے نکالنے والے اِن تکالیف کا مقابلہ کر کے اس کو بمشکل نکالتے ہیں۔ لفظ شَوْر سے ہی شَارَۃٌ و شُوْرَۃٌ نکلے ہیں اور ان کے معنی حسن صورت عمدگی، اور اچھی ہیئت و وضع کے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ رَجُلًا اَتَاہُ وَعَلَیْہِ شَارَۃٌ حَسَنَۃٌ (ایک شخص آپ کی خدمت میں بدین حال حاضر ہوا کہ اُس کا لباس اچھا تھا اُس کی ہیأت و حالت اچھی تھی) عرب میں بولتے ہیں وفلان حسن الشورۃ (فلاں شخص اچھی ہیات والا ہے) وفلان حسن الشورہ (فلاں شخص اچھے لباس والا ہے)

گھوڑے وغیرہ جانوروں کو فروخت کے لئے خریداروں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور خریدار اُن کو آگے پیچھے سے اوپر نیچے سے اچھی طرح دیکھتا اور اس کے ایک ایک عضو کو ٹٹولتا ہے اس کو بھی شوَر کہتے ہیں۔ فوجی گھوڑے آزمایش اور امتحان کے لئے میدان میں جمع کئے جائیں اسکو بھی شور کہتے ہیں اور جس جگہ یا جس میدان میں گھوڑے وغیرہ فروخت یا آزمایش کے لئے پیش کئے جاویں اُس کو مِشوار کہتے ہیں۔

غرض شوَر اور اس سے جو الفاظ بنائے گئے ہیں اُن میں شیرینی، حسن، اور انتخاب کے معنی ہر جگہ موجود ہیں انتخاب کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بہتر سے بہتر چیز کو جس میں ایسے عیب نہوں جسکی وجہ سے چھوڑ دینے کے قابل سمجھی جائے پسند کیا جاتا ہے۔

مشورہ۔شوریٰ۔استشارہ۔مشاورہ۔سب لفاظ شور ہی سے بنائے گئے ہیں اور اُن میں اصل معنی مصدر اور اُس کے تمام استعمالات جس قدر ملحوظ رکھے گئے ہیں ظاہر ہے مشورہ کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اچھی، بری، صحیح اور غلط رایوں میں سے بہترین اور مثمر و منتج رائے کا انتخاب کیا جاوے اور ظاہر ہے کہ جو رائے ہر قسم کی رایوں سے منتخب کی جائیگی محبوب، مرغوب طبع حسن اور پسندیدہ ہوتی ہے اور جیسا شہد تمام امراض سے شفا کا کام دیتا ہے۔ اچھی اور نیک رائے بھی مہلکات سے نجات دینے والی منزل مقصود تک پہونچانیوالی اور ندامت و افسوس سے محفوظ رکھنے والی ہوتی ہے۔

ناظرین ہمارے اس مختصر بیان سے زبان عرب کی وسعت اُس کی لطافت و خوبی۔ الفاظ و معنی کے مناسبتوں کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔ یہ خصوصیت ہے کہ دنیا کی کوئی زبان، کسی قوم کا لغت اُسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

رہا لفظ اشارہ جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اُس کا استعمال کسی شئے کے بتلانے اور رائے دینے دونوں معنی میں آتا ہے مگر لغت عرب کی واضع نے اس میں بھی اُسی باریکی اور لطافت سے کام لیا ہے جو زبان عربی کا خاصہ ہے۔ حروف میں سے حرف الیٰ کے معنی منزل مقصود تک پہونچا دینے یا متوجہ کر دینے یا کسی چیز کو بتلا دینے کے ہیں۔ اور علیٰ کے معنی لازم و واجب کر دینے کے آتے ہیں۔ عربی

زبان میں اگر اشار الیہ بولتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف اشارہ کردیا اس میں وجوب عمل کی طرف ایماء نہیں ہوتا۔ برخلاف اشار علیہ (اس کو مشورہ دیا) اس میں یہ معنی ضرور ملحوظ ہیں کہ جس کو مشورہ دیا گیا ہے اس کو عمل کرنا ایک حد تک ضروری اور لازم قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب قاتل ہرمزاں کے بارہ میں مشورہ طلب کیا تو ارشاد فرمایا اشیروا علی فی ھذا الرجل الذی فتق فی الاسلام ما فتق (مجھے اس شخص کے بارہ میں جس نے اسلام کے اندر اتنا بڑا رخنہ ڈالا مشورہ دو) الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ ایسی رائے طلب کرتے تھے جس پر عمل فرماویں۔ اور ظاہر ہے کہ جب کہ ایک جماعت سے کسی معاملہ میں رائے طلب کیجاتی ہے تو ہر شخص اپنی رائے کو واجب العمل سمجھکر پیش کرتا ہے اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر اس رائے پر عمل نہ کرنے سے مشیر کو ملال یا کبیدگی ضرور ہوتی ہے۔ گو عقل و نقل کے قاعدہ سے اس کبیدگی و ملال کے اظہار یا اس پر جمود کا کوئی حق نہیں ہے۔ لغۃ کی تحقیق میں جس قدر لکھدیا گیا ہمارے نفس مدعا کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ کی اس موقع میں گنجایش نہیں۔

حصہ دوم

مشورہ کا حکم اسکی ضرورت غرض و غایت نتائج و فوائد

مشورہ کی غرض و غایت انسان کو مہلک اور برباد کرنے والی غلطیوں سے محفوظ رکھنا۔ معاملات کی اصلاح اور نظام عالم کو ایسی ترتیب پر قائم رکھنا ہے جو مختلف القویٰ۔ متفاوت العقول کی باہم اجتماع کے مناسب ہی۔ جبکہ یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ انسان کے تمام افراد باعتبار عقل کے مساوی نہیں ہیں بلکہ اُن کے عقول میں اس قدر تفاوت ہے کہ ایک اگر اپنی مافوق الفطرۃ عقل و تمیز ادراک و شعور کی وجہ سے ابناء جنس میں حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو دوسرا اس درجہ نیچے گرا ہوا ہے جسکو بمشکل حیوانات اور غیر ذوی العقول سے جدا کرسکتے ہیں۔ اُن کے افعال و اطوار اور بہائم کے طبعی و خلقی افعال میں بہت ہی کم فرق محسوس ہوتا ہے۔

اور یہ بھی مسلم ہے کہ عقل انسانی باعتبار اصل فطرۃ کتنی ہی بلند واقع ہوتی ہو مگر اس کا نشوونما اس کی ترقی اور ارتقاء کا آلہ حقیقی تجربہ اور ممارستہ معاملات ہے دانشمند سے دانشمند آدمی بھی بلا تجربہ ناقص اس

کی رائے غیر قابل قبول ہوتی ہے۔ وہ اپنی عقل سے خطا و صواب کے راستے بیشک بتلاتا ہی لیکن جو باتیں تجربہ کے متعلق ہوتی ہیں وہ بغیر عالم کے تغیرات اور واقعات و حالات پر فلسفیانہ و حکیمانہ نظر ڈالی حسل نہیں ہوتیں۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ جب تک خود مبتلا ہو کر سرد و گرم سے واقف نہو جاوے ہرگز اس کی رائے صائب نہیں ہوسکتی۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ ایک نہایت دانشمند و زیرک فنون جنگ کی کتابوں کا عالم و حافظ بلکہ کسی مکتب حربیہ کا پروفیسر یا پرنسپل میدان جنگ سے دور و دراز بیٹھے ہوئے معرکہ آرائی کی تدبیریں بتلاتا ہے اور ہر ایک نشیب و فراز سے آگاہ کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو دانائی و فراست علم و مطالعہ کتب میں اُس کا ہم پلہ نہیں ہے مگر عمر بھر اُس کی میدان جنگ میں گذری۔ ادنی سپاہی سے جرنیل کے مرتبہ تک پہونچ گیا ہزاروں معرکوں کا مشاہدہ کیا۔ کبھی محصور ہوا کبھی محاصرہ کیا کبھی حملے کئے کبھی مدافعانہ قوت دکھلائی۔ کبھی وسیع میدانوں میں کوچ کیا کبھی تنگ و پیچدار گھاٹیوں سے لشکر کو صحیح و سالم نکال کر لیگیا۔ کبھی دشمنوں کے نرغے میں پھنسکر ہلاکت کے کنارہ پہونچگیا۔ ظاہر اور بالکل ظاہر ہے کہ گو اوّل الذکر شخص دانش و عقل میں کتنا ہی بڑھا ہوا ہے اور اس فن کے مصنفات میں کتنی کچھ تدابیر ہر موقع کی موجود ہوں جس کا وہ حافظ اور نکتہ شناس ہے۔ مگر اُس کی تدبیر و رائے کو اس دوسرے شخص کی رائے و تدبیر کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں ہوسکتی اور نہ ویسی قدر و قیمت۔ ایک ہی صورت کی تدبیر مختلف ہوتی ہیں لیکن موقع کی اہمیت کا اندازہ اور پھر اُس کی مناسب تدابیر کا اختیار کرنا صرف تجربہ کے متعلق ہے اور اگرچہ فن حرب کی تصنیفات بھی انہیں آزمودہ کاروں کی برسوں کے تجربات کا مجموعہ ہے لیکن پھر بھی تجربہ ہمیشہ نئی نئی صورتیں دکھلاتا رہتا ہے۔ علاوہ بریں علم بغیر عمل کے یقیناً ناقص و ناتمام رہتا ہے یہی وہ مضمون ہے جسکو حضرت رسول کریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم نے اپنے جوامع الکلم میں ارشاد فرمایا ہے لاحلیم الا ذو عثرۃ ولا حکیم الا ذو تجربۃ (دانشمند و بردبار وہی ہے جس نے بہت سی ٹھوکریں کھائیں ہوں۔ اور حکیم وہی شخص ہے جس نے بہت سے تجربہ کئے ہوں) لفظ حلیم حِلم بکسر الحاء بمعنی دانش و عقل سے مشتق ہے آپ کا حصر کے ساتھ ارشاد فرمانا کہ دانشمند صرف

وہی ہے جس نے تجربہ کئے ہوں ٹھوکریں کھائیں ہوں صاف بتلاتا ہے کہ بغیر لغزشوں کے آدمی پختہ کار نہیں ہوتا اس کے اخلاق و ملکات ناقص و ناتمام رہتے ہیں۔ اور اگر حلم کو تحمل و بردباری کے معنی میں لیا جائے تب اس ارشاد میں ایک دوسرا دعویٰ ثابت ہو گا جو اپنی اہمیت و صحت میں معنی اوّل کے ہم سنگ ہے اور جس سے آپ کے ارشادات کا جوامع الکلم ہونا اور بھی روشن ہو جائیگا یعنی کسی شخص میں اصل فطرۃ سے اگرچہ حلم و بردباری موجود ہو لیکن اس کو ایسے مواقع اور واقعات سے سابقہ نہیں پڑا جن سے اس کے تحمل کی عمق اور بردباری کی تہ کا اندازہ ہو سکے ایسے شخص کو حلیم اور بردبار نہ کہنا چاہیے حلیم وہ ہی شخص ہو سکتا ہے جو کڑی سے کڑی بات پر بھی جنبش نہ کرے چین بجبیں نہو۔ اور درحقیقت یہ حالت بغیر تجربہ اور ٹھوکریں کھائے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بہت سے شخص دیکھے ہیں کہ وہ وقار معلوم ہوتے ہیں لیکن چھوٹے سے خلاف طبع کا تحمل انھیں دشوار ہو جاتا ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو بڑے سے بڑے معاملہ میں تحمل کر لیتے ہیں۔ لیکن کبھی کسی چھوٹے اور غیر معتد بہ امر میں اپنی حالت سے نکل جاتے ہیں پھر معاملات کی نوعیت مختلف ہوتی ہے اس لئے تجربہ ہی ایسی چیز ہے جو حلیم کو حقیقی حلیم بناتا ہے۔

حضرت[۵] امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلم و عفو میں مشہور ہیں آپ فرمایا کرتے ہیں مجھے شرم آتی ہے کہ دنیا میں کوئی قصور ایسا ہو جس کو میرا حلم شامل و محیط نہو سکے۔ لیکن ان کا یہ دعویٰ اور افتخار غالباً قابل التفات و تصدیق نہوتا اگر انھیں پر بعض واقعات عظیمہ نہ گذرتے جن سے اُن کی کوہ وقاری کا تجربہ ہوا ایک مرتبہ امیر معاویہ اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہما میں ناخوشی کی گفتگو ہو گئی حضرت عقیل کبیدہ خاطر ہو کر اٹھ گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معذرت میں خط لکھا جس کا حاصل یہ تھا کہ تم قصی بن کلاب (جد اعلیٰ قریش مکہ) کی شاخیں عبد مناف (ہاشم کے والد ماجد) کے جوہر اور مغز ہاشم (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا) کے برگزیدہ فرزند ہو تمھاری کوہ وقاری اخلاق اور بلند فطرت عقلیں کیا ہوئیں مجھے اس بات کا بہت ملال ہے جو ہمارے باہم پیش آئے

[۵] مستطرف جلد اول صفحہ ۱۹۰ ۱۲

میں عہد کرتا ہوں کہ قبر میں دفن ہونے تک کبھی ایسی بات پیش نہ آئیگی۔ اس کے جواب میں حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے یہ دو شعر لکھکر بھیجدئے۔

صَدَقتَ وَقُلتَ حَقًّا غَیرَ اِنِّی	تم نے بالکل سچ کہا مگر میں یہ عہد کرچکا ہوں۔
اَرٰی اَن لَّا اَرَاکَ وَلَا تَرَانِی	کہ نہ میں تمہاری صورت دیکھوں نہ تم میری۔
وَلَستُ اَقُولُ سُوۡءً فِی صَدِیقِی	میں اپنے دوست کی کوئی برائی کرنا پسند نہیں کرتا
وَلٰکِنِّی اَصُدُّ اِذَا جَفَانِی	ہاں جب وہ میرے ساتھ جفا کرتا ہے تو میں اعراض کرکے بیٹھ رہتا ہوں

ان اشعار کو دیکھتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اُن کے پاس پہونچے۔ اور جس قدر ممکن تھا معذرت و ملاطفت کی اور قسمیں دیں کہ آپ اپنی اس خیال کو چھوڑکر اصلی حالت پر آجائیں انجام یہی ہونا تھا کہ وہ راضی ہوگئے۔

ظاہر ہے کہ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ لغزش ہوتی اور وہ دوستانہ انداز میں نہ کہ بربنائے زعم سلطنت ناگوار کلمہ نہ کہہ گذرتے تو آیندہ ایسے امور سے محترز رہنے کی تنبیہ انکو نہ کرتی۔

حضرت[۵] عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی کچھ زمین ایک موقع پر تھی اور اس کے متصل ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی تھی۔ امیر معاویہ کے ملازموں اور کارپردازوں نے غالباً قوت خلافت کے بھروسہ ان کی زمین پر تصرف کرنا شروع کردیا جس پر ناراض ہوکر انھوں نے ایک خط امیر معاویہ کو بدیں مضمون لکھا کہ آپ اپنے نوکروں کو منع کردیجئے کہ میری زمین پر تصرف نکریں والا کمان لی ولک مشان نہیں تو جو کچھ میرے آپ کے درمیان پیش آئیگا معلوم ہوجائیگا۔ یہ تہدید آمیز خط ایسا نہ تھا جس میں کسی صاحب سلطنت و قدرت کو غیظ و غضب نہ آتا۔ چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے یزید کو دکھلا کر مشورہ کیا تو اس نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ایسا عظیم الشان لشکر بھیجیں جس کا ایک سرا اُن تک ہو تو دوسرا آپ کے پاس اور حکم دیجئے کہ اُن کا سر اوتار کر لائیں بیٹے کی یہ رائے سنکر بردبار باپ نے کہا نہیں بیٹا! ایک اور بات اس سے بھی بہتر

---

[۵] مستطرف جلد اول صفحہ ۱۶۔ ۱۲

ہے۔ پھر قلم اور کاغذ اٹھا کر جواب خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے حواری رسول اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا خط دیکھا جس کو دیکھکر مجھے اسی قدر صدمہ ہوا جتنا ان کو آپ کی رضامندی کے مقابلہ میں ساری دنیا کی حقیقت بھی میرے نزدیک کچھ نہیں ہیں نے اپنی زمین کو بالکل چھوڑ دیا وہ بھی آپ ہی کی ہے۔ اس جواب کے پہونچتے ہی عبداللہ بن زبیر کا غیظ وغضب یک لخت بدلگیا اور جواب اس کے لکھا امیر المومنین کے جواب پر مطلع ہوا۔ خدا تعالیٰ آپ کو دیر تک باقی رکھے۔ اور جن اوصاف نے آپ کو اس درجہ پر پہونچایا ہے وہ زائل نہوں آپ نے یہ خط پڑھکر یزید کو دیا اور فرمایا جو شخص عفو کا خوگر ہوتا ہے سردار بنجاتا ہے اور جو بردباری کرتا ہے اس کی عظمت بڑھجاتی ہے اور جو درگذر کرتا ہے لوگ اس کی طرف جھک جاتے ہیں۔ تم کو جب کبھی ایسی مشکلات میں مبتلا ہونے کی نوبت آئے تو اس کی یہی تدبیر ہے۔

ظاہر ہے کہ عبداللہ بن زبیر میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ دوسری جانب ایسا سامان موجود تھا کہ اشارہ میں کام تمام ہوجاتا۔ سارے جھگڑے مٹ جاتے۔ مگر ایسے ہی وقت ثابت قدم رہنا۔ عقل وبردباری کا ثبوت دیسکتا تھا۔ اور اسی کا نتیجہ ہوا کہ عبداللہ بن زبیر باوجود اس سخت منافرت اور خلاف کے نرم ہوگئے۔

احنف[۵۲] بن قیس حلم وبردباری میں ضرب المثل ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص مجھے تکلیف پہونچاتا ہے یا سب وشتم سے پیش آتا ہے تو میں اس کے بارے میں غور کرتا ہوں اگر اس کا مرتبہ مجھ سے بڑا ہے تو اس کی بزرگی جواب سے مانع ہوتی ہے، اگر ہمرتبہ ہے تو اس پر مہربانی کرتا ہوں اگر کم درجہ ہے تو اس کے مقابلہ کو اپنی حقارت سمجھتا ہوں۔

ایک مرتبہ وہ ہنڈیا پکا رہے تھے؛ ایک شخص نے کہا کہ یہ ہنڈیا بندر کی ہتیلی کے برابر ہے نہ کسی مانگنے والے کو عاریتاً دیجاتی ہے۔ نہ جو اس میں سے کھائے اس کو چکناہٹ حاصل ہوتی ہے احنف نے سنکر کہا اگر یہ شخص چاہتا تو اس سے اچھی بات کہہ سکتا تھا۔

احنف کا مقولہ ہے کہ حلم وبردباری میں جو ذلت مجھے پہونچتی ہے اس کے مقابلہ میں اگر سرخ

---

۵۱ مستطرف جلد اول صفحہ ۱۲۶ - ۵۲ - بلوغ الارب حصہ اول صفحہ ۱۵۰

اونٹ (سرخ اونٹ عرب میں نہایت عزیز تھے) ملجائیں تو مجھے ہرگز پسند نہیں ہے۔

احنف سے کسی نے پوچھا کہ تم نے حلم وبردباری کو کس سے حاصل کیا۔ کہا قیس بن عاصم سے ہم اُن سے حلم وبردباری سیکھنے اس طرح جاتے تھے جس طرح علمار کی خدمت میں فقہ حاصل کرنے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم اُن کی خدمت میں حاضر تھے کہ لوگ اُن کے بھائی کو مشکیں باندھے ہوئے لائے اور کہا اس نے آپ کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ قیس کچھ بات کر رہے تھے۔ یہ سنکر نہ سلسلہ کلام منقطع کیا۔ نہ چہرہ پر تغیر ہوا۔ جس طرح بیٹھے تھے اسی وقار سے بیٹھے رہے اور جب گفتگو ختم کر چکے تو فرمایا۔ تم نے میرے بھائی کو خوف زدہ کر دیا۔ اور پھر اپنے دوسرے بیٹے کو بلا کر کہا کہ بھائی اپنے چچا کو کھولدو۔ اپنے بھائی کو دفن کردو اور مقتول کی والدہ کو دیتہ میں سو اونٹ دیدو۔ وہ غریب الوطن ہے شاید اسی طرح اُس کی تسلی ہو جاوے۔

حلم وبردباری کا کرنا سہل ہے۔ معمولی مجرموں سے درگذر بھی آسان ہے۔ تھوڑا بہت نقصان گوارا کر لینا بھی دشوار نہیں ہے مگر امتحان کا وقت یہی تھا کہ لخت جگر قتل کر دیا جاوے، اُس کی لاش سامنے لا کر ڈالدی جائے۔ اور پھر عقل وحواس بجا رہیں، غضب وجوش انتقام کو حرکت نہو۔ قیس کو معاف کر دینے کا حق شرعاً حاصل تھا۔ مگر جہاں ایک طرف بھائی کے ساتھ سلوک کیا تو دوسری جانب غریب ماں کی دلجوئی میں بھی کمی نکی اور اپنے مال سے سو اونٹ دیت کے دیدئے۔ یہ ہیں وہ اخلاق اور حرکات جن پر کوئی قوم فخر کر سکتی ہے۔

یہاں تک ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے ایک حصہ لا حلیم الا ذو عثرۃ کے ایک پہلو کو واضح کرنے کے لئے استطراداً یہ چند واقعات نقل کر دئے ہیں کیوں کہ وہ ناظرین کے واسطے دلچسپی سے بھی خالی نہ تھے۔ اب ہم ارشاد مبارک کے دوسرے حصہ لا حکیم الا ذو تجربۃ کی طرف بالخصوص متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ دوسرا جملہ صاف بتلا رہا ہے کہ صاحب عقل سلیم وفطرت بلند ورائے صائب بلا تجربہ کے حکیم کا رتبہ نہیں پا سکتا۔ حکیم وہی شخص ہو سکتا ہے جو عقل کامل کے ساتھ

سلہ بلوغ الارب حصہ اول صفحہ ۱۰۵۔

تجربہ کار اور سرد وگرم چشیدہ ہو۔ اور یہی ہمارا مدعا تھا کہ عقل کے ارتقار کا حقیقی آلہ تجربہ ہے۔

جملہ اولی لاحلیم الاذو عثرۃ میں جو دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ جملہ ثانیہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ ان میں سے حلم کو بمعنی بردباری و تحمل لینا زیادہ موزوں ہے۔

اور یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ تمدن کا مدار تعاون وتناصر (باہم امداد و معاونت یاری و مددگاری) پر ہے۔ وحشی اور متمدن کے درمیان فرق ہے تو یہی ہے کہ وحشی جیسا کہ خود اپنے تمدن و اسباب معیشت میں دوسرے کی طرف کم رجوع کرتا ہے۔ ایسے ہی دوسرے کے کام میں بھی آتا۔ بہائم حقیقی وحشی ہیں ان میں بہت کم رابطہ انس و تعلقات ہوتے ہیں۔ اور جو ہوتا ہے وہ بھی طبعی ہوتا ہے۔ عقلی و اختیاری نہیں۔ انسان کو بہائم سے تمیز ہے تو یہی ہے کہ اس میں فطرتاً انس و محبت امداد و استمداد کا مادہ ودیعت رکھا گیا ہے۔ اور یہ امداد و استمداد کا سلسلہ اس کے تمام امور معاش و معاد میں داخل ہے۔ دنیا میں بادشاہ سے لیکر ادنی رعیت اور عالم سے لیکر جاہل کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو دوسرے کی احتیاج نہو۔ بلکہ جس قدر بڑے رتبہ کا ہوتا ہے اُتنا ہی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ مخلوق میں انسان سب سے زیادہ محتاج اور دست نگر ہے۔ انسان کے طبقات میں جو سب سے اعلیٰ شمار ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ مقید اور محتاج ہیں۔ انسان کی تمام اچھے اور بُرے حالات و معاملات اس کی نیک نامی و بدنامی آبادی و بربادی، نجات و ہلاکت، افعال اور اقوال پر ہی دنیا میں بہت ہی کم ایسے نادان و کودن ہیں جو جان بوجھ کر اپنے آپ کو تباہی اور بربادی میں ڈالیں یا جو اپنے لئے بہبودی اور فلاح کی فکر نکریں۔ لیکن باوجود اس کے کہ آدمی اپنے نفس کا ساری دنیا سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ پھر اس سے باختیار خود ایسے افعال کیوں صادر ہوتے ہیں جن کے انجام میں جان و مال، عزت و آبرو، کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ تباہ و برباد ہوتا ہے۔ ندامت و پشیمانی ذلت و رسوائی جدا حاصل ہوتی ہے۔ صرف رائے کی غلطی سے کبھی مضر و مفید کے انتخاب میں غلطی ہوتی ہے۔ کبھی واقعات کے اسباب میں اشتباہ پڑ جاتا ہے۔ کبھی صحیح تدبیر تک اُن کی رسائی نہیں ہوتی۔ کبھی ایک ہی واقعہ کے بہت سے اسباب اور ایک ہی معاملہ کی بہت سی تدابیر ہوتی ہیں۔ اور سب

بجائے خود صحیح و منتج بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اُس کی خاص تدبیر کو اختیار کرنے میں اشکال پیش آتا ہے۔ خود باوجود دانشمند، زیرک ہونے کے متحیر ہوجاتا ہے غرض بہت سے وجوہ ایسے پیش آتے ہیں کہ تنہا اس کی رائے فیصلہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ اگر ایسے مواقع میں اپنی رائے پر اعتماد کرکے کچھ کر بیٹھتا ہے تو ناکامیاب ہوتا ہے۔ ہم چشموں میں ذلت ہوتی ہیں۔ اس لئے کسی بڑے یا چھوٹے کام کو شروع کرنے سے رائے صحیح کا منقح کرلینا نہایت ضروری امر ہے متنبی کہتا ہے۔

اَلرَّاْیُ قَبْلَ شَجَاعَۃِ الشُّجْعَانٖ	رائے بہادروں کی شجاعت سے بھی پہلے ہے۔
ھُوَ اَوَّلٌ وَھِیَ الْمَحَلُّ الثَّانِیْ	اُس کا درجہ اول ہے اور شجاعت کا درجہ بعد میں۔

یہ شاعر بتلاتا ہے کہ شجاعت جو حقیقت میں اعضاء کے متعلق ہے اور جس میں تہور۔ دلیری اور ناعاقبت اندیشی سے کام چلتا ہے اس کا مدار بھی رائے پر ہے اگر کم عقلی اور بے تدبیری سے کوئی شخص اپنے کو دشمنوں کے نرغے میں پھنسا دے اور گو اس وقت وہ داد شجاعت دیکر جان دیدے یا سے جان لیکر سالم بھی بچ جائے لیکن اس کو حقیقی شجاعت نہیں کہتے۔ اصل شجاعت یہی ہے کہ مشغول کارزار ہونے سے پہلے دشمن کو اپنی تدبیر و حیلہ سے شکست دے اور عین معرکہ میں وہ تدابیر اختیار کرے جو سیف وسناں سے زیادہ موثر کارگر ہوں الحرب خدعۃ اور جیسا کہ انسان کو اپنے تمام معاملات میں دوسروں کی امداد و استمداد کی حاجت ہے رائے میں دوسروں سے امداد کا محتاج ہوتا ہے اور جب کہ مشورہ و تبادلہ خیالات سے ایک معاملہ کے تمام پہلو روشن و واضح ہوگئے۔ اُس کے متعلق تمام تدابیر کا علم ہو گیا اور پھر باہمی مشورہ سے وہ تدبیر بھی متعین کردی گئی جس کا استعمال اُس وقت مناسب ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ایسی حالت میں بہت کم اُن غلطیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ جو ناکامی کا سبب بنجاتی ہیں۔ بلکہ اکثر و بیشتر یہ شخص اپنے مدعا میں پورا پورا کامیاب اور فائز المرام ہوتا ہے۔ اور اگر احیاناً باوجود بہتر سے بہتر تدبیر کرنے کے حصول مدعا میں کامیاب نہو۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ بہت سے ذوی العقول بھی مل کر صحیح نتیجہ پر نہ پہونچ سکیں۔ انسان کتنا ہی زیرک دانشمند، تجربہ کار۔ سرد و گرم چشیدہ ہو مگر علم غیب اُس کو

نہیں ہے جس سے وہ یقیناً کسی نتیجہ کے وقوع پذیر ہونے کا حکم لگا سکے۔ معہذا انسان کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے عقل رسا اور تجربہ تام کی وجہ سے معاملہ کے صحیح اسباب بتلا دے مگر ہر سبب کا نتیج ہونا خود یقینی نہیں ہے۔ باوجود ناکامیاب ہونے کے بھی یہ شخص اس ندامت و پشیمانی سے محفوظ رہتا ہے۔ جو خودرائی کے بعد ہو سکتی ہے۔ اور اس قسم کے طعن و تشنیع کی زد سے بالکل بچ جاتا ہے جس کا درصورت عدم مشورہ ابنار زمانہ کی طرف سے پیش آنا ضروری تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ جن دانشمند بزرگوں اور ہوشمند تجربہ کاروں، کی مشورہ پر کاربند ہو کر کام کیا تھا غیر کامیابی کی صورت میں وہ اس کے بہت زیادہ محد و معاون بن جاتی ہیں۔ وہ اپنی ممکن سے ممکن کوشش اس کے کامیاب کرنے میں صرف کر ڈالتے ہیں۔ اور اگر اس معاملہ خاص میں آخر تک ناکامی رہے تو جبر نقصان کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ گویا اس شخص نے محض اپنی فلاح و بہبودی کے لئے مشورہ کر کے ایک بھاری لشکر اپنی امداد معاونت کے لئے تیار کر لیا۔ جو ہر وقت ہر پہلو سے اس کی امداد کو آمادہ ہے۔

خلاصہ ہماری تمام معروضات کا یہ ہے کہ متمدن دنیا میں انسان کو اپنے تمام معاملات میں باہم گر تعاون و تناصر ضروری ہے اس کے بغیر کسی کا کام نہیں چلسکتا ہے۔ اور تمام معاملات کی اسلوبی و بہبودی کا مدار رائے صحیح پر ہے رائے میں امداد و استمداد کا مسئلہ سب سے اہم اور واجب العمل ہوگا۔ گویا اساس تمدن مشورہ پر ہے۔ اور عالم کی صلاحیت اس کی آبادی۔ اس کی رونق و شادابی کا مدار تبادلہ آراء و خیالات پر ہے اور پھر اس کا کوئی پہلو۔ فوائد و نتائج مفیدہ سے خالی نہیں ہے۔

مشورہ کا حکم۔ اور اس کی فضیلت

جب یہ معلوم ہو گیا کہ تمدن کا لازمی جزو استشارہ و مشاورت ہے۔ عالم کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے جو انسان کی ہر حالت میں رہبر اور ہر قسم کی فلاح و بہبود کی متکفل ہے اس مسئلہ کی نسبت کیا حکم دیا ہے اور اس کی خوبیاں کس حد تک ذہن نشین کی ہیں۔ اس بارہ میں ہم اول نصوص قرآنی مع تفسیر متعلقہ آیات۔ اور پھر روایات احادیث اور پھر اقوال صحابہ سلف امتہ مرحومہ بیان کریں گے۔

نصوص قرآنی

نص اول فبما رحمۃٍ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین

خدا کی بڑی رحمت سے تم اُن کے لئے نرم بن گئے۔ اور اگر تم کج خلق سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے متفرق ہو جاتے اُن سے درگذر کرو اور ان کے لئے استغفار کرو معاملات میں ان سے مشورہ کرو۔ لیکن جب عزم کر چکو تو خدا پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ متوکلوں کو دوست رکھتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ فرائض بعثت و رسالت ادا کرنے اور گمراہوں اور بھٹکے ہوؤں کو ہدایت کرنے اور راہ راست پر لانے کے لئے ملاطفت نرم خوئی۔ درگذر اور حسن اخلاق کی ضرورت ہے تاکہ ناواقف حسن اخلاق اور ملاطفت کی وجہ سے آپ کے گرد جمع ہوں اور آپ کے فیض صحبت اور ارشادات سے متمتع ہو کر پختہ کار مسلمان بن جائیں۔ اور اس کے برخلاف آپ کے اخلاق میں نرمی نہوتی آپ ناواقفوں اور جاہلوں کی اکھڑپن کی برداشت نکرتے۔ خلاف شان اور خلاف ادب کسی ایک لفظ یا حرکت پر دار و گیر و مواخذہ فرماتے۔ آپ دشمن تو دشمن دوستوں کی نامناسب حرکات کا تحمل نہ فرماتے۔ یا آپ سخت دل ہوتے۔ آپ میں شفقۃ علی الخلق کوٹ کوٹ کرنہ بھری ہوتی تو یہ مقبولیت عامہ مخلوق کا یہ اجتماع اور یہ جان نثاری حاصل نہوتی بلکہ جب لوگ یہ دیکھتے کہ آپ بھی مثل اور انسانوں کے معاملہ فرماتے برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں۔ درگذر فرمانا اور اپنے اُوپر تکلیف اُٹھانا نہیں جانتے تو اول تو اس قسم کی گرویدگی حاصل ہی نہوتی اور نہ لوگ آپ کے گرد جمع ہوتے اور جو ہوتے بھی تو وہ انداز و طرز کو دیکھکر الگ ہو جاتے وہ خود ہلاکی و تباہی کے گڑھے میں گرتے اور بعثت کا مقصود حاصل نہوتا۔ جب یہ بات ہے تو آپ کے حقوق میں جو کوتاہی اُن سے سرزد ہو اس سے درگذر کرنا چاہیئے۔ اور حقوق اللہ میں جو کمی

واقع ہوا اُس کے بارہ میں استغفار کرنا چاہیئے اور اُن سے معاملات میں مشورہ کرتے رہنا چاہیئے۔

ارشاد مذکورہ بالا سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ فرمانے کا حکم ہے اور یہیں سے مشورہ کے منجملہ ضروریات ہونے کی تنقیح بھی ہوگئی کہ جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ آپ نزول وحی کی وجہ سے مستغنی تھے یہ حکم ہے تو مسلمانوں کا اور کوئی فرد خواہ کسی درجہ ورتبہ کا ہو کیسے اس حکم سے مستغنی ہو سکتا ہے ہر شخص کے ذمہ ہے کہ تمام ایسے امور کے اندر جن میں صواب وخطا میں اشتباہ ہو مشورہ کرے۔

لیکن آیت کے متعلق چند مباحث ہیں جن کی تنقیح وتحقیق ضروری ہے جس کے بعد انشاء اللہ تعالےٰ حکم مذکور کی تنقیح وتوضیح بھی بخوبی ہو جائیگی۔

مبحث اوّل ۔صحابہ سے مشورہ لینے کا حکم کس بنا پر تھا۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ مشورہ کی جو اصلی غرض ہوتی ہے یعنی تعیین رائے صائب وصحیح وہی مقصود ہوتی تھی۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

اَنَّ[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر وعمر لو اجتمعتما فی مشورۃ ماخالفتکما (الامام احمد عن عبدالرحمٰن بن غنم)	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں خلاف نکرونگا۔

نیز ترمذی[۲] وغیرہ کتب میں مروی ہے کہ جب آیۃ شریفہ۔

یاایّھاالذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ۔	(اے ایمان والو جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہو تو سرگوشی سے پہلے خدا کی راہ میں کسی قدر خیرات دیا کرو)

نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ سے ارشاد فرمایا کتنا صدقہ ہونا چاہیئے ایک دینار۔ تو حضرت علی نے جواب دیا یہ تو بہت زیادہ ہے مسلمان اس

[۱] ۔روح المعانی جلد اوّل صفحہ ۔ [۲] ۔فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۳

کے متحمل نہوں گے۔ فرمایا نصف دینا۔ جب بھی یہی جواب دیا یہ تو بہت زیادہ ہے ارشاد فرمایا تو پھر کیا ہونا چاہیئے عرض کیا کہ ایک جو کی قدر۔ آپ نے فرمایا تم تو بہت ہی زاہد ہو یعنی دنیا سے بے رغبت اور مال کو نہ رکھنے والے۔ اُس کے بعد پوری آیۃ ذیل نازل ہوئی۔

ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات فاذ لم تفعلوا و تاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ واطیعوا اللہ و رسولہ واللہ خبیر بما تعملون۔

(کیا تم لوگوں سے یہ نہ ہو سکا کہ اپنی سرگوشیوں سے پہلے خیراتیں دیا کرتے (خیر) جب تم نے اس پر عمل نہ کیا اور اللہ نے تمسے معاف فرمادیا تو اب صرف نمازیں ادا کیا کرو اور مفروضہ زکوٰۃ ادا کیا کرو اور تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے میری وجہ سے اُمت پر تخفیف فرمادی اور ہر مرتبہ مناجات کے وقت جو صدقہ کا حکم تھا جس کا تحمل ہر ایک سے نہ ہو سکتا تھا منسوخ ہو گیا۔

حضرات شیخین کے بارے میں یہ ارشاد کہ اگر تم کسی امر میں متفق ہو جاؤ تو تمہارا اخلاف نکروں گا۔ دلالت کرتا ہے کہ آپ اُن کی رائے پر عمل فرماتے تھے اور مقصود تحصیل رائے تھا علیٰ ہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صدقہ کے بارہ میں مشورہ کرنا خود اس کی دلیل ہے۔

اور جلیل القدر تابعی قتادہ رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی کچھ حاجت نہ تھی۔ وحی کے ذریعہ سے تمام امور آپ کو معلوم ہو سکتے تھے باایںہمہ جو آپ کو مشورہ کا حکم دیا گیا محض مسلمانوں کے اطمینان اور تطییب قلب کے لئے تھا اور یہ امر آپ کے حسنِ اخلاق اور ملاطفت کے تکملہ میں داخل تھا ہر مسلمان کو یہ علم تھا کہ آپ جو کرتے ہیں جو فرماتے ہیں باشارہ وحی فرماتے ہیں پھر آپ کی عقل و فراست تمام عالم کی عقل سے فائق۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کے مشورہ کی ہرگز حاجت نہ تھی باایںہمہ جہاں کھانے پینے چلنے پھرنے۔ بیٹھنے اُٹھنے میں آپ مساوات و بے تکلفی کا معاملہ فرماتے تھے اُسی کی تکمیل کے لئے آپ کو یہ بھی حکم ہوا کہ معاملات میں مشورہ کر لیا کریں تاکہ اُن کا دل خوش ہو جائے۔

اور حضرت حسن بصریؒ یہ فرماتے ہیں کہ آپ کو مشورہ کا حکم تعلیم اُمتہ کی غرض سے تھا یعنی آپ کو مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ آپ کے فعل کو دیکھکر امتہ بھی اقتدا کرے۔ اور سمجھ لے کہ جب آپ باوجود نزول وحی کے مشورہ فرماتے تھے تو وہ لوگ جن کے پاس کوئی ذریعہ حصول علم یقینی اور اطمینان قلب کا نہیں ہے کیونکر مشورہ سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال لما نزلت وشاورهم في الامر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اما ان الله ورسوله لغنيان عنها ولكن جعلها الله تعالى رحمة لامتي فمن استشار منهم لم يعدم رشدا ومن تركها لم يعدم غيا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب آیۃ وشاورہم فی الامر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دیکھو خدا اور اُس کا رسول مشورہ سے بالکل مستغنی ہیں لیکن خدا تعالیٰ ذاتس کو امتہ کے لئے رحمۃ کا سبب بنایا ہی میری امتہ میں سے جو شخص مشورہ سے کام کریگا رشد و ہدایت اس کے ساتھ رہیگی اور جو اُس کو چھوڑ دیگا گمراہی و کجروی اُس کا ساتھ نہ چھوڑیگی۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ باوجو مستغنی ہونے کے مشورہ کا حکم صرف امتہ کی تعلیم و اقتدا کی غرض سے دیا گیا۔ یہ تین احتمال ہیں جن کی طرف علمار حقانی گئے ہیں ایک چوتھا احتمال اور بھی ہے وہ یہ کہ مشورہ سے غرض و غایۃ امتحان ہوتا تھا یعنی ناصح و غیر ناصح ہمدرد و غیر ہمدرد میں تمیز کرنا یا مشیر کی صدق و اخلاص کا اندازہ کرنا مگر اس احتمال کو ضعیف و ناقابل التفات قرار دیا گیا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان احتمالات میں کسی کو ترجیح دیں یا اُن کے متعلق اپنی رائے بیان کریں معاملات مشورہ طلب کی تفصیل اور اختلاف کی اصل منشار کو بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں

معاملات کل دو قسم کے ہیں دینی و دنیوی دینی معاملات دو قسموں پر منقسم ہیں، ایک وہ جن میں وحی آچکی۔ دوسرے وہ جن میں وحی نہیں آئی۔ اور پھر جن معاملات میں وحی نہیں آئی اُن کی بھی دو قسمیں ہیں اول وہ جن میں مشورہ کے بعد وحی نازل ہوئی۔ دوسری وہ جن میں مشورہ پر

عمل کیا گیا اور وحی نازل نہ ہوئی۔ گو کسی معاملہ میں آپ کے عمل کو جائز و بر قرار رکھنا بھی وحی کے حکم میں داخل ہے۔ کیونکہ کسی غلط رائے پر آپ کو استقرار و قیام نہیں ہو سکتا اس لئے لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ آپ کا عمل یا حکم تعیین منشاء خداوندی کے مطابق تھا اور اسی کو وحی حکمی یا وحی باطنی کہتے ہیں۔

معاملات دنیوی میں بالاتفاق مشورہ جائز ہے۔ معاملات دنیوی سے ہماری غرض اس قسم کے معاملات ہیں جن سے کوئی حکم شریعت متعلق نہیں ہوتا جس کی نسبت آپنے ارشاد فرمایا ہے انتم اعلم بامور دنیاکم مثلاً تابیر نخل کا قصہ۔

معاملات دینی جن میں وحی نازل ہو گئی اُن میں مشورہ کی ضرورت و حاجت نہیں۔ اور نہ آپ ایسے معاملات میں اغراض مذکورہ میں سے کسی غرض کے لئے مشورہ فرماتے تھے۔ بلکہ صرف اشارہ وحی پر عمل فرمانا آپ کے ذمہ ضروری تھا۔ اور جن میں وحی نازل نہیں ہوئی اُن کے اندر علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ کو ایسے معاملات میں بھی بغرض تعیین حکم و رائے مشورہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ وحی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور اکثر کا مذہب یہ ہے کہ ایسے معاملات میں مشورہ کی اجازت تھی۔ بعد مشورہ جو رائے قرار پائی اس پر عمل کرنا جائز تھا۔ گو آخر تک وحی آئی یا نہ آئی۔

مشورہ کے بارہ میں یہ اختلاف مبنی ہے ایک دوسرے اختلاف پر جس کو اس جگہ بقدر ضرورت بیان کر دینے کی ضرورت ہے۔

اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد و قیاس سے کام لینا جائز تھا یا نہیں یعنی جس طرح امۃ کے اہل اجتہاد کو کسی ایسے معاملہ میں جس کے اندر شارع کی نص موجود نہو اجتہاد و قیاس سے احکام کا استنباط جائز بلکہ واجب ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ کے لئے بھی جائز تھا یا نہیں۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ اجتہاد و قیاس کی اُس وقت اجازت ہوتی ہے۔ جب کسی طریقہ منصوصہ سے حکم معلوم نہو سکے۔ ائمہ مجتہدین و اہل رائے کو جب نص کی جانب سے مایوسی

ہے تو اب ان کے لئے کونسا طریقہ استنباط حکم کا سوا قیاس و اجتہاد کے باقی رہا۔

اور جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ہر ایک امر کا حکم معلوم ہو سکتا ہے تو قیاس و اجتہاد کی کیا حاجت ہے۔ جمہور امت کا مذہب یہ ہے اور یہی صحیح اور باعتبار دلائل کی قوی اور مطابق واقعات مرویہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے معاملات میں جنکی بارہ میں وحی نازل نہ ہوئی ہو قیاس و اجتہاد درست تھا اور بعد قیاس و اجتہاد جو امر قائم فرماتے اور اس کی خلاف وحی نازل نہوتی۔ یہ بھی وحی میں داخل سمجھا جاتا تھا اور اسی کا نام وحی باطنی و وحی حکمی ہے۔

خلاصہ اس تمام بیان کا یہ ہوا کہ معاملات دنیوی میں باتفاق جملہ علماء مشورہ جائز۔ معاملات دینی میں سے جس کے اندر وحی نازل ہو چکی بغرض تعیین حکم مشورہ جائز۔ البتہ کبھی اور بنا پر صحابہ سے استفسار کر لیا جائے تو ممکن اور جن معاملات میں وحی نازل نہیں ہوئی اُن کے اندر بغرض تعیین حکم و تقویت و اعانت رائے مشورہ لینا ان لوگوں کے نزدیک ناجائز ہے جو آپ کے لئے قیاس و اجتہاد کو ناجائز کہتے ہیں اور جو لوگ جائز کہتے ہیں اُن کے نزدیک مشورہ بمعنی مذکور درست و جائز۔

جو لوگ آپ کے لئے اجتہاد و قیاس کو جائز نہیں جانتے وہ بطریق اولیٰ مشورہ کو بھی بدیں معنی کہ اس کے ذریعے سے کوئی حکم شرعی قائم کیا جا سکے بطریق اولیٰ جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن چونکہ روایات احادیث سے بکثرت آپ کا صحابہ سے مشورہ کرنا ثابت ہے اس لئے نفس مشورہ سے تو انکار نہیں کر سکتے لیکن یہ کہتے ہیں کہ آپ کو مشورہ کا حکم امت کی تعلیم اور تطییب قلوب کے لئے تھا۔

لیکن ابھی یہ بیان کر دینا باقی ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک آپ کے لئے قیاس و اجتہاد ناجائز ہے اور اسی بنا پر مشورہ کو بغرض تعیین و تحصیل حکم ناجائز کہتے ہیں اُن کے نزدیک حکم وشاورھم فی الامر میں کل دو احتمال ہیں تعلیم امت کے لئے ہو یا تطییب قلوب مومنین کے لئے تیسرا احتمال نہیں ہے۔ لیکن جمہور امت کے قول کے مطابق جبکہ آپ کے لئے مشورہ بغرض تعیین و تحصیل جائز ہوا تو اس آیت میں تین احتمال ہوں گے جب یہ تفصیل معلوم ہو گئی ایسا سمجھئے کہ مشورہ کے حکم کے بارے میں یہ اختلاف کہ مشورہ کا حکم بغرض تحصیل مقصود تھا جیسا کہ احتمال اول میں بیان کیا گیا ہے۔ یا تعلیم امت و تطییب قلوب مومنین

کے لئے تھا جیسا کہ احتمال ثانی و ثالث کا حاصل ہو حقیقی اختلاف نہیں بلکہ عنوان و تعبیر کا اختلاف ہو۔ جو لوگ مشورہ کو بغرض تعلیم امۃ تطییب قلوب فرماتے ہیں وہ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ بہت سی مواقع میں آپ نے صحابہ سے مشورہ فرما کر اسی پر عمل فرمایا۔ اُن کی غرض صرف یہ ہو کہ مشورہ بیشک حقیقی مقصود کی تحصیل کے لئے مشروع ہوا۔ روایات سے یہ امر ثابت مگر اس کے مشروع ہونے کے علۃ کیا ہے۔ آپ بوجہ نزول وحی مشورہ سے مستغنی تھے پھر اُس طریق کو چھوڑ کر مشورہ کا حکم کیوں دیا گیا۔ اُس کی علۃ بعض کے نزدیک تعلیم امۃ ہے یا تطییب قلوب۔ لیکن ان دونوں میں تنافی نہیں بلکہ حکم مشورہ کی دونوں علتیں ہو سکتی ہیں ہمارے مذکورہ بالا بیان سے اس امر کا فیصلہ تو ہو گیا۔ کہ مشورہ کی مشروعیت اُس کی اصلی غرض و غایت کے لئے ہے جو عموماً متعارف و معمول ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور دینیہ میں جیسا کہ درصورت عدم نزول وحی اجتہاد و قیاس جائز تھا ایسا ہی مشورہ بھی جائز تھا اور یہ بھی کہ مشروعیت مشورہ کی علۃ و غرض میں جو اختلاف ہو حقیقی اختلاف نہیں ہو۔ بلکہ عنوان و تعبیر کا اختلاف ہو۔

لیکن ابھی ایک امر تنقیح طلب باقی رہ گیا ہے۔ کہ مشورہ کو اُس کی غرض و غایت ماننے اور امور دینیہ میں آپ کے لئے جائز سمجھنے کے بعد .... بھی .... مشورہ کا حکم تمام امور دینیہ کو شامل تھا یا صرف جنگ و معرکہائے قتال تک یہ حکم محدود تھا کلبی اور ان کے ہم خیال علماء یہ فرماتے ہیں کہ مشورہ کا حکم مخصوص تھا معرکوں اور حرب کی تدابیر کے لئے لیکن جمہور کا مذہب یہ ہو کہ حکم مشورہ تمام امور دینیہ کو عام و شامل تھا لڑائیوں اور معرکوں کی تخصیص نہیں تھی۔

کلبی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور خاص جنگ احد میں آپ نے صحابہ سے مشورہ لیا تھا کہ مدینہ میں ہی میں رہکر مدافعت کرنا بہتر ہے یا باہر نکلکر مقابلہ کرنا۔ آپ کی رائے کا میلان خود اس جانب تھا کہ مدینہ ہی میں رہکر مدافعت کریں لیکن اکثر صحابہ کی جوش ایمانی کا تقاضا یہ تھا کہ پیش قدمی کر کے مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ ابن ابی منافق کی رائے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق تھی۔ وہ کہتا تھا کہ مدینہ میں رہکر ہم۔ کسی دشمن سے مغلوب

نہیں ہوئے اور نہ کسی کو آج تک ہم پر دسترس ہوا ہے۔ مگر غلبہ رائے کی وجہ سے آپ نے اکثر کی رائے کو قبول فرمالیا زرہ اور خود پہنکر ہتیار لگاکر تشریف لائے تو اب صحابہ کو ندامت ہوئی کہ ہم نے آپ کے خلاف ایک رائے پر کیوں اصرار کیا۔ اور عرض کیا کہ ہم سے غلطی ہوئی رائے وہی ہے جو آپ کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ ہتیار لگانے کے بعد بلا مقابلہ اتار دے۔ آپ معہ مجاہدین روانہ ہو گئے اور احد پر کفار مکہ سے مقابلہ ہو گیا۔ اس معرکہ میں گو انجام کار مسلمانوں کو غلبہ ہوا۔ مگر کئی طرح کی سخت نقصان اُٹھانیکے بعد۔

اوّل نقصان تو یہ پہونچ گیا۔ کہ عبد اللہ ابن ابی معہ اپنی کثیر جماعت کے یہ کہکر واپس ہو گیا

اطاعھم وعطانی ۔	اوروں کا کہنا مانا۔ اور میری بات نہ سنی ۔

اگرچہ منافقوں کا آپ سے جُدا ہو جانا حقیقت میں نقصان نہ تھا بلکہ نفع تھا کیوں کہ یہ لوگ شوق و رغبت سے ساتھ نہ تھے۔ اگر عین معرکہ قتال میں دھوکہ دیجاتے تو زیادہ نقصان ہوتا پھر اُن سے کسی قسم کی جد وجہد کی بھی توقع نہ تھی۔ تھی تو اسی بات کی کہ مسلمانوں کو اپنی طعن امیز باتوں سے جیساکہ ہمیشہ کیا کرتے تھے بددل اور شکستہ خاطر کریں۔ ایک ناپاک جماعت سے لشکر اسلام کا پاک وصاف ہی رہنا اچھا تھا۔ مگر چونکہ اس وقت تک حکمت الٰہی کا مقتضا یہ بھی تھا کہ منافقون کو بھی ساتھ لگائے رکھا جائے۔ اس لئے ایک جماعت کثیر کا علیحدہ ہو جانا اول تو شوکت میں نقصان ڈالنے والا تھا دوسرے پختہ کاروں کی پست ہمت ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

دوسرا نقصان یہ پہونچا۔ کہ مسلمانوں کی جماعت کو عین معرکہ کے وقت ہزیمت ہوئی۔ یہاں تک کہ بعض نے مدینہ میں آکر دم لیا۔ اور ایک شخص نے یہ خبر پہونچادی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہو گئے ہیں۔ بعض اُن میں سے اپنے گھر میں گئے تو عورتوں نے طعن و تشنیع شروع کی کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے آئے۔ تم اس قابل ہو کہ چرخہ سنبھال کر عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھو۔

اس ہزیمت کے وقت کفار کو غلبہ کی صورت حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کے ستر چیدہ بہادرو

شہسوار حضرت حمزہ جیسے شہید ہو گئے۔ یہ نقصان حقیقت میں بچند وجوہ ایسا تھا کہ اس سے پہلے وہ اُس کے بعد کبھی اُن کو اٹھانا نہیں پڑا۔

تیسرا نقصان یہ پہونچا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم آئے آپ کا دندان مبارک شہید ہوا مسلمانوں کے لئے اس نقصان سے بڑھکر اور کوئی نقصان نہیں ہو سکتا تھا۔ اُن کو اپنی جان سے مال سے عزت و آبرو سے۔ زن و بچہ سے گھر اور جائداد سے سب سے زیادہ پیاری و محبوب حضور انور کی ذات تھی اُن کا شغف آپ سے اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ ایک عورت کو جب اُس کے باپ بھائی وغیرہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو اُس نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ اور جب یہ سنا کہ آپ زندہ ہیں تو اس نے کہا آپ زندہ ہیں تو ساری مصیبتیں آسان ہیں۔ اور یہ سب نقصانات اُس غلطی رائے کا نتیجہ تھے۔ اور اب خود صحابہ کو بھی یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ہم اس قابل نہیں رہے کہ ہم سے ان معاملات میں مشورہ کیا جائے۔ اس خیال کے دفعیہ کے لئے یہ آیۃ نازل ہوئی کہ اوّل تو اُن کے قصور معاف کرنے اور اُن کے لئے استغفار کا حکم ہوا اور پھر ارشاد ہوا کہ ان سے مشورہ کرتے رہو۔

آیۃ کا شان نزول اور ترتیب بیان صاف بتلا رہی ہے کہ شاورھم فی الامر میں امر سے امر حرب مراد ہے۔ الف لام استغراق کا نہیں کہ تمام امور حرب وغیرہ حرب میں مشورہ کیا کیجئے۔ بلکہ یہ الف لام عہد خارجی کا ہے یعنی خاص لڑائی کے معاملات میں جس کا تذکرہ پہلے سے ہے مشورہ کیجئے غلطی رائے اور قصور کی وجہ سے وہ ایسے نہیں ہو گئے کہ اُن سے مشورہ نہ کیا جائے۔

جمہور کہتے ہیں ہم مان لیتے ہیں کہ یہ آیۃ خاص جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئی۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مشورہ کا حکم خاص امور متعلقہ جنگ و قتال کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔

اوّل تو اس وجہ سے کہ شان نزول کے خاص ہونے سے حکم کا خاص ہونا ضروری نہیں ہے بہت سی آیتیں کسی خاص واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں ہیں مگر حکم عام ہے۔ اس قاعدہ سے یہاں بھی لفظ الامر تمام ان امور کو شامل ہے جن میں وحی نازل نہیں ہوئی۔ خواہ امور متعلقہ قتال

میں ہو یا اور امور دینیہ ہیں۔

دوسرے اس وجہ سے کہ صحابہ سے مشورہ کرنے کا طریقہ نزول آیۃ سے پہلے بھی جاری تھا۔ اور اُس میں کوئی تخصیص کسی قسم کے معاملات کی نہ تھی۔ اس آیۃ سے جواز مشورہ کی ابتدا نہیں ہوئی۔ پس اگر ہم یہ مان لیں کہ شاورھم فی الامر میں خاص امور متعلقہ تدابیر حرب مراد ہیں اور انہیں کے بارہ میں اجازت حکم ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ واقعہ مذکورہ میں صحابہ سے چند غلطیاں سرزد ہوجانے سے جو یہ خلجان ہوسکتا تھا کہ اب آئندہ وہ مشورہ کے قابل نہیں رہے ہے۔ اُس خلجان کو رفع فرما دیا۔ یہ کہاں سے مفہوم ہوا کہ مشورہ کا طریقہ جو پہلے سے جاری اور معاملات کی نوعیت کے ساتھ مخصوص نہ تھا اُس میں بھی اس آیۃ سے تخصیص ہوگئی۔

تیسرے اس وجہ سے کہ ہم کو بہت سے ایسے معاملات دینیہ کا ثبوت ملتا ہے جن میں آپ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا اور اُن کو تدابیر متعلقہ قتال سے تعلق نہیں ہے۔

مثلاً۔ بدر کی لڑائی سے فراغت ہو چکی تو آپ نے اسیران جنگ بدر کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ ان کو معاوضہ لیکر رہا کر دیا جائے۔ یا قتل کر دیا جائے۔

یا مثلاً اذان کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے

قال کان المسلمون حین قدموا المدینۃ یجتمعون فیتحینون للصلوۃ ولیس ینادی بھا احد فتکلموا یوما فی ذلک فقال بعضھم اتخذوا مثل ناقوس[1] النصاری وقال بعضھم قرنا[2] مثل قرن الیھود فقال عمر اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوۃ فقال

ابن عمر فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو اٹکل کرکے نماز کے لئے جمع ہوتے تھے۔ کوئی ان کو وقت کی اطلاع نہ کرتا تھا۔ ایک روز اسکی گفتگو ہوئی۔ بعض نے کہا کہ نصاریٰ کی طرح ناقوس بنا لیا جائے۔ بعض نے کہا یہود کی طرح قرن۔ حضرت عمر نے کہا ایسا کیوں نہیں کرتے کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر پکار دیا کرے۔

---

[1] دو لکڑیاں ہوتی تھیں ایک چھوٹی ایک بڑی چھوٹی کو بڑی پر مارتے تھے جس سے آواز نکلتی تھی ۱۲۔

[2] مونہہ سے بجانے کا آلہ مثل سنکھ وغیرہ کے ۱۲۔

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا بلال قم فناد بالصلوٰۃ مشکوٰۃ صفحہ ۵۶	یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز کے لئے آواز دیدو۔

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہوکہ نماز کی اطلاع دینے کے لئے مشورہ ہوا صحابہ نے اپنی اپنی رائے بیان کی اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول فرما کر نماز کے لئے پکارنے اور اطلاع دینے کا حکم دیا۔ اور اس طرح انجام کار اذان جاری ہو گئی۔

قصہ مشورہ در بارۂ اساری بدر میں کوئی اگر یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ مشورہ بھی منجملہ امور متعلقہ حرب تھا (اگرچہ ایسا کہنا ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے) تو مشورہ متعلقہ اذان میں اس کی کچھ بھی کسی طرح گنجائش نہیں ہے اذان محض امر دینی ہے۔ اس کو قتل و قتال جنگ وجدل سے فی الحال یا انجام کار کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

ان دونوں واقعوں کی علاوہ اور بھی بہت سے واقعات کا ثبوت ملتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور دینیہ میں جس کا حرب سے تعلق نہیں مشورہ کیا گیا۔ مگر اب اُن کی نقل کی حاجت نہیں رہی اور جب ایسے امور دینیہ میں آپ کا مشورہ ثابت ہے تو حکم مشورہ کو امور جنگ کے ساتھ مخصوص کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بیشک جمہور کی رائے صحیح ہے۔ مشورہ کا حکم تمام امور دینیہ کو عام شامل ہے۔ ہرگز امور متعلقہ تدابیر جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں غالباً کلبی وغیرہ کا مطلب بھی یہ نہو گا کہ امور جنگ کے علاوہ اور امور دینیہ میں مشورہ آپ کو جائز نہ تھا۔ وہ صحیح اور مسلّم واقعات سے کیوں کر انکار کر سکتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت خاص امور حرب کے متعلق نازل ہوئی ہے یعنی یہ خیال کر کے کہ اُن سے ان امور میں غلطیاں سرزد ہوئیں اُن سے مشورہ ترک نکریں۔ اگر انکا یہی مطلب لے لیا جائے تو حقیقت میں کچھ اختلاف باقی نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مبحث ثانی۔ خداوند عالم جل مجدہٗ نے اوّل تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے

مشورہ کا حکم فرمایا۔ اور پھر ارشاد فرمایا۔

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ | پھر جب عزم مصمم کر چکو تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔

اس ارشاد میں مشورہ کی حقیقت اس کے نتیجہ اور اسلامی اصول کی ایسی صحیح تعلیم بیان فرمائی گئی ہے کہ اس کے بعد کسی مغالطہ اور غلط فہمی۔ کجروی اور غلط اصول قائم کرنے کی گنجایش ہی نہیں رہتی

اوّل تو یہ کہ مشورہ میں اختلاف رائے ہوتا ہے۔ اگر اختلاف رائے میں پڑ کر کسی ایک جانب کو متعین نہ کر لیا جائے۔ اور عزم مصمم قائم نہو تو مشورہ بجائے مفید ہونے کے نہایت مضر اور مہلک ہو جاتا ہے۔ تردد میں پڑ کر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ صحابہ سے مشورہ کیجے لیکن کسی ایک جانب پر قائم ہو کر اس کی اجراء و امضاء کا عزم مصمم کر لینا چاہیے۔ ایسا نہونا چاہیے کہ اختلاف رائے اور کثرۃ آراء کی وجہ سے نفس معاملہ تعویق و تردد میں پڑ جائے۔ اور یہ حقیقت میں امۃ کو تعلیم ہے مسلمانوں کے لئے مشورہ کا عام قاعدہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے کہ عقلاء زمانہ بھی اس اصول کو ترک کر کے کبھی مدعا میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشورہ جیسا فی حد ذاتہ محمود اور موجب فلاح ہے ایسے ہی مشورہ کے بعد ایک جانب متعین کر کے عزم مصمم کر لینا بھی واجب و لازم ہے۔

دوم یہ کہ مشورہ کرنا عقلاء کی رائے پر اعتماد کرنا اور اس پر کاربند ہونا منجملہ اسباب ظاہرہ کے قوی سبب کامیابی و مدعا برآری کا ہے۔ اور اس سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ مشورہ پر اعتماد کر کے کام کر لینا چاہیے لیکن اسلامی تعلیم معتدل ہے۔ افراط و تفریط کا اس میں شائبہ نہیں ہے۔ اسلام نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ ہم اسباب سے کام لیں۔ اور پھر اسباب کو موثر حقیقی نہ سمجھیں حقیقی فاعل قادر مطلق و با اختیار کو سمجھیں۔ ہماری نظر خدا تعالیٰ پر ہو۔ اسباب کو واسطہ سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں۔ اس تعلیم کو ذہن نشین کرنے کے لئے اوّل تو یہ ارشاد ہوا کہ آپ اسباب کو بالکل ترک نکریں صحابہ سے مشورہ کریں لیکن اسباب پر اعتماد بھی نکریں۔ بلکہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام کو شروع کریں یہ وہ اسلامی صحیح تعلیم ہے جس پر مسلمانوں کو ناز ہے۔ اور جس کا مقابلہ کوئی قوم اور کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں نے

اسباب ظاہرہ پر اس قدر اعتماد کیا کہ خداوند تعالیٰ کو بھول گئے اسباب ہی کو منجی اور موثر سمجھنے لگے انہوں نے حقیقتاً بندگی کا رشتہ توڑ دیا۔ اور جنھوں نے اسباب کو بیکار محض سمجھا انہوں نے خداوند عالم کی حکمت کو نہ سمجھا اسلام نے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا۔

اس ارشاد سے ہم کو توکل کی حقیقت بھی سمجھ میں آگئی۔ توکل کے معنی یہ ہیں کہ ہر کام میں ہر تدبیر میں فقط خدا تعالیٰ کو موثر اور فاعل سمجھے۔ کسی سبب یا تدبیر پر اعتماد نہ کریں اس کو حقیقی موثر اور خداوند عالم سے مستغنی نہ سمجھے۔ یہ مرتبہ اگر اس درجہ یقین و اذعان کو پہونچ گیا کہ اس کا حال بن گیا ہے۔ اس کے قلب میں اسباب کی طرف دھیان ہی نہیں ہے بلکہ مسبب الاسباب کی طرف ہے تو یہ درجہ توکل کامل کا ہے جو اہل معرفت وارباب یقین کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر فقط علم و اذعان اور اعتقاد تو ہے مگر حال نہیں ہے تو نیچے کا درجہ ہے جس کے بغیر آدمی مومن نہیں ہوتا۔ نجات کے لئے یہ بھی کافی ہے

توکل کی بحث اس کے مدارج کی تفصیل و تحقیق متوکلین کے مدارج اور حالات اس سے زیادہ تفصیل کو چاہتے ہیں مگر ہم اس جگہ اس سے زیادہ لکھنا نہیں چاہتے انشاء اللہ تعالیٰ کبھی اس پر مستقل لکھیں گے۔

آیت کے متعلق اور بھی لطیف بحثیں تھیں۔ لیکن اس رسالہ میں اُن کی گنجایش نہ تھی۔ اس لئے فقط ضروری مباحث پر اکتفا کیا۔

ایمان والے وہ ہیں جنھوں نے اپنے رب کے حکم کو مانا۔ نماز کو قائم کیا۔ اور ان کے کام باہم مشورہ سے ہوتے ہیں۔ اور جو ہم نے دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔	نص ۵ و بھم والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقناھم ینفقون۔

اس آیت اور اس کی پہلی آیتوں میں مومنین کی مدح اور اُن کے اوصاف خاص بیان کئے گئے ہیں۔ اور منجملہ اوصاف خاصہ اور علامات مختصہ مومنین کاملین کے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاملات کو باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں مستقل ہو کر خود رائی بنکر نہیں کرتے۔ اس آیۃ میں چار وصف بیان کئے گئے اول اپنے رب کی اطاعت اس کے احکام کی تسلیم۔ دوسرے نماز کا قائم کرنا تیسری

اپنے معاملات کو باہمی مشاورہ سے طے کرنا۔ چوتھے خدا کے دیئے ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔

اس ترتیب بیان میں اوّل تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جو حقیقت میں اصل اصول اور تمام عبادت کے لئے شرط اوّل ہے۔ اس کے بعد اقامۃ صلوۃ ہے جو تمام عبادات مالی و بدنی کی اصل اصول ہے اور ایمان و کفر کی مابہ الفرق ہے۔ اس کے بعد مشاورہ ہے۔ اور آخر میں فی سبیل اللہ خرچ کرنا اللہ کی راہ میں صرف کرنا۔ فرض و نفل دونوں کو شامل ہے۔ اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ مشورہ فرض نہیں ہے بلکہ مندوب و مستحب و سنۃ کے درجہ میں ہے تو یہ ترتیب موجب خلجان معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں کچھ خلجان نہیں ہے۔

مشورہ ایک مہتم بالشان امر ہے۔ عالم کی فلاح و فساد میں اس کو بڑا دخل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اذا کان امراءکم خیارکم واغنیاءکم اسخیاءکم وامرکم شوری بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا واذا کان امراءکم شرارکم واغنیاءکم بخلاءکم وامرکم الی نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا۔[1]

جب تمہارے حاکم و امیر تم میں کے بہتر و منتخب لوگوں میں سے ہوں۔ تمہارے مالدار سخی ہوں تمہارے کام باہمی مشاورہ سے طے ہوتے ہوں۔ تو زمین پر رہنا اس کے اندر دفن ہونے سے بہتر ہے۔ اور جب معاملہ برعکس ہو جائے۔ امرا بدترین اور شریر ہوں۔ مالدار کنجوس و بخیل ہوں عورتوں کے ہاتھ میں تمہاری باگ ہو تو دفن ہو جانا زمین پر زندہ رہنے سے بہتر ہے۔

اس حدیث میں خصوصیت سے ان امور کو بیان کیا گیا ہے جس کو عالم کی اصلاح و فساد سے بہت کچھ تعلق ہے گویا مدار اصلاح و فساد غالباً ان امور پر ہے۔ امراء سے عام مخلوق کا تعلق ہوتا ہے۔ مالداروں کی طرف فقراء کو حاجت پڑتی ہے۔ ایسے ہی مشورہ بھی عام احتیاج کی چیز ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر معاملات میں باہمی مشاورہ سے کام نہ لیا جائے بلکہ خودرائے یا کم عقلوں

[1] روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۵۳۱ ۔ ۱۲

کے اقتدار سے معاملات طے کئے جائیں تو عالم میں فساد پھوٹ پڑے۔ زندگی تلخ ہو جائے۔ زندہ رہ کر مبتلا مصائب و قلق ہونے سے مرنا بدرجہا بہتر ہو جائے۔

اور جب کہ عالم کی صلاحیت و فساد مشورہ و عدم مشورہ سے ہے۔ تو مناسب یہ معلوم ہوتا تھا کہ مثل اور عبادات مشورہ بھی فرض ہوتا۔ مگر خداوند عالم نے اس میں بھی مصالح عباد کو ملحوظ رکھ کر مشورہ کو ان پہ فرض نہیں، فرمایا۔ مگر مشورہ کے استحسان اور اُس کے مہتم بالشان ہونے کو ایسے انداز سے فرمایا کہ کسی مومن صاحب عقل سلیم کو اس سے انحراف کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

اوّل تو مومنین کی مدح کی موقع پہ اُن کے اوصاف خاصہ کو شمار کرتے ہوئے مشاورۃ باہمی کو بھی بیان فرمایا۔ جس سے خود اس کی عظمت و شان معلوم ہوتی ہے۔ پھر صلوٰۃ و زکوٰۃ اور مفروضہ عباداتوں کے درمیان میں رکھا جس سے اوّل تو یہ معلوم ہو گیا کہ مشورہ کا درجہ یہ ہے کہ وہ بھی فرض ہوتا۔ دوسرے زکوٰۃ و صدقات سے مقدم رکھا جس سے اور بھی اُس کی عظمت و شان بڑھ گئی۔ نص اول سے اگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو صحابہ سے مشورہ کا حکم ہے۔

جو حقیقت میں امت کے لئے تعلیم ہے کہ جب باوجود مستغنی عن مشاورۃ ہونے کے بھی مشورہ کے لئے مامور تھے تو دوسرے لوگ ضرور مامور ہوں گے وہ کیسے اُس سے مستغنی ہو سکتے ہیں گویا اس آیۃ میں مسلمانوں کو مشورہ کا حکم دیا گیا۔ اور اس آیۃ کے اندر مقام مدح میں مومنین کے اوصاف میں سے مشاورۃ باہمی کو بیان فرمایا۔ جس سے یہ نتیجہ نکال لینا سہل اور بدیہی امر ہے کہ مشورۃ بنص قرآنی ایک ضروری اور موجب اصلاح عالم امر ہے۔ اس سے کسی کو انحراف و استغنا کی گنجائش نہیں ہے۔ اس سے بڑھکر تاکید اور تفہیم کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔

روایات احادیث

نصوص قرآنی اور اُن کے متعلق ضروری امور کے بیان سے فراغت پاکر اب ہم مشورہ کے متعلق روایات احادیث کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

حدیث اوّل من اراد امرًا فشاور فیه هُدِیَ لارشد الامور۔
بیہقی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعًا۔

جو شخص کوئی کام کرنا چاہے۔ اور اس میں مشورہ کرے تو اس کو سب سے بہتر امر کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔

حدیث ثانی[۲] عن علی رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ الامر ینزل بنا بعدك لم ینزل فیه قران ولم یسمع منك فیه شی قال اجمعوا له العابد من امتی واجعلوه بینکم شوریٰ ولاتقضوہ برای واحد۔ خطیب فی رواۃ مالک

حضرت علی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد جو کوئی ایسا امر پیش آئے جس میں نہ قرآن نازل ہوا۔ نہ آپ سے کچھ سنا تو اس کیا کیا جائے۔ فرمایا میری امت کے دیندار لوگوں کو جمع کر کے اس امر کو مشورہ میں ڈال دو تنہا کسی ایک کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

حدیث سوئم[۳] عن ابی ھریرۃ مرفوعًا استرشدوا العاقل ترشدوا ولا تعصوہ فتندموا۔ خطیب فی رواۃ مالک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دانشمند لوگوں سے طلب رشد و مشورہ کرو تم کو سیدھی راہ کی ہدایت ہوگی۔ ان کی نافرمانی و خلاف مت کرو نادم ہوگے

حدیث چہارم عن ابن عباس قال لما نزلت وشاورھم فی الامر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما ان اللہ و رسوله لغنیان عنها ولکن جعلها اللہ تعالیٰ رحمة لامتی فمن استشار منهم لم یعدم رشدا ومن ترکها لم یعدم غیا

ابن عباس فرماتے ہیں جب آیہ وشاورھم فی الامر نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا سمجھ لو کہ خدا اور خدا کا رسول مشورہ سے مستغنی ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے مشورہ کو میری امۃ کے لئے رحمۃ بنایا ہے۔ میری امۃ میں سے جو مشورہ کرتا رہیگا۔ رشد و ہدایت اس کے ساتھ رہیں گے

---

۱ درمنثور جلد سادس۔ صفحہ ۱۰۔
۲ درمنثور صفحہ ۱۰ جلد سادس۔
۳ درمنثور صفحہ ۱۰ جلد سادس۔

بیہقی بسند حسن یہ حدیث پہلے نقل ہو چکی ہے۔

اور جو اس کو چھوڑ دیگا تجروی اس کا ساتھ نہ چھوڑے گی۔

حدیث پنجم اذا کان امراءکم۔ الخ یہ حدیث معہ ترجمہ پہلے لکھی گئی ہے۔

حدیث ششم کتاب ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰ میں ہے۔

وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال المشورۃ حصن من الندامۃ وامان من الملامۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشورہ ندامت سے محفوظ رہنے کا قلعہ ہے اور لوگوں کی ملامت سے امن ہے۔

حدیث ہفتم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اراد امرا فشاور فیہ مسلما وفقہ اللہ لارشد الامور۔ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کوئی کام کرنا چاہے اور اس نے اس بارہ میں کسی مسلمان سے مشورہ کر لیا تو خدا تعالیٰ اسکو سب سے بہتر بات کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

حدیث ہشتم روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال راس العقل بعد الایمان باللہ التودد الی الناس وما استغنی مستبد برایہ وما ہلک احد عن مشورۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے بعد اعلیٰ درجہ کی معقول بات لوگوں سے محبت اور میل جول کیساتھ رہنا ہے کوئی خود رائے شخص محض اپنی رائے پر بھروسہ کر کے کبھی دوسروں سے بے پروا نہیں ہوا اور نہ مشورہ کے بعد کام کرنیوالیکو ہلاکت پہنچنے کی نوبت آئی۔

حدیث نہم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقحوا عقولکم بالمذاکرۃ واستعینوا علی امورکم بالمشاورۃ

اپنے عقول کو مذاکرہ سے تجربہ کار بناؤ اور اپنے معاملات میں باہمی مشاورات سے امداد لو۔

احادیث مذکورہ بالا سے چند امور بوضاحت تام ثابت ہو گئے۔ اول یہ کہ طریق رشد وصواب وہدایت پر چلنے کے لئے مشورہ اصل اصول ہے۔ مشورہ پر کاربند ہو کر جو کام کیا جاتا ہے اس میں

۵۲ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱۔

۵۳۔ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱

خیریت وصلاحیت ہوتی ہے ۔ رشد و ہدایت ساتھ دیتے ہیں ۔ اور اگر مشورہ نہ کیا جائے تو کجی و گمراہی سے نجات ملنا مشکل ہے اس میں انجام کار ندامت اٹھانی پڑتی ہے ۔

دوئم یہ کہ جیسا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور دنیویہ میں خواہ وہ متعلق تدابیر حرب ہوں یا متعلقہ احکام مشورہ جائز تھا ۔ ایسے ہی آپ کے بعد بھی جب کسی معاملہ میں نص کتاب و سنۃ موجود نہ ہو مسلمانوں کے لئے مشورہ مشروع ہے ۔

تیسرے یہ ہے کہ جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے اُن میں اُن اوصاف کا موجود ہونا ضروری ہے جن سے اُن کے مشیر بننے کی اہمیت ثابت ہوتی ہے اور جو ان کو غلط رائے نہ دیں اور خیانت سے رکیں

چوتھے یہ کہ بوجہ نزول وحی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ سے مستغنی تھے مگر اس غرض کے لئے کہ امۃ اقتدا کرے آپ کے لئے مشورہ مشروع کیا گیا ۔ اس چوتھے امر کو ہم پہلے وضاحت سے بیان کر چکے ہیں ۔ تیسرے امر کی تشریح شرائط و آداب مشورہ میں تفصیل سے بیان ہوگی ۔

اقوال صحابہ و سلف امۃ

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔

نعم الموازرۃ المشاورۃ وبئس الاستعداد الاستبداد [۱]	باہمی مشاورت سے بوجھ کا تقسیم کرنا بہت خوب ہے اور بری مستعدی ہے خود رائی ہونا ۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔

الرجال ثلاثۃ رجل ترد علیہ الامور فیسددھا برایہ ورجل یشاور [۲]	آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس پر معاملات پیش آئیں اور وہ اپنی رائے سے اُن کی درستی و اصلاح

[۱] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۳۰

[۲] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰

فیما أشکل وینزل حیث یأمرہ اهل الرای ورجل حائر لا یأتمر رشدا ولا یطیع مرشدا۔

کردے دوسرے وہ جو مشکلات ہیں اور وہاں سے مشورہ کے بعد اہل الرائے کی رائے کا اتباع کرتا ہے اور تیسرا حیران ہے نہ کسی سے بھلائی کا مشورہ لیتا ہے نہ کسی ہدایت کرنیوالے کی اطاعت کرتا ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

الاستشارة[1] عین الهدایة وقد خاطر من استغنی برائه۔

مشورہ حاصل کرنا عین ہدایت ہے اور جو شخص اپنی رائے پر اعتماد کئے ہوئے ہے۔ اس نے خطرناک راہ اختیار کی

(۴) حضرت حسن بصری ارشاد فرماتے ہیں۔

ما تشاور[2] قوم قط الا هدوا لارشدهم ثم تلا وامرهم شوری بینهم۔

جب کوئی قوم کسی معاملہ میں مشورہ کرتی ہو تو ان کو بہترین بات کی ہدایت ہوتی ہے۔ اس کی تاکید میں انہوں نے آیہ وامرهم شوری بینهم کی تلاوت فرمائی

(۵) عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان[3] المشورة والمناظرة بابا رحمة ومفتاحا برکة لا یضل معهما رای ولا یفقد معهما حزم۔

مشورہ اور مناظرہ دو دروازہ ہیں رحمت کے اور دو کنجیاں ہیں برکت کی ان کے بعد رائے مخفی نہیں رہتی۔ اور نہ حزم و احتیاط مفقود ہوتے ہیں۔

(۶) حضرت امام مالک نے اپنے ایک خط میں جو ہارون رشید کو لکھا ہے تحریر فرمایا۔

الزم الرای الحسن والهدی الحسن

اچھے مشورہ کو اور اچھی خصلت اور میانہ روی کو مضبوطی

---

[1] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ - ۱۲

[2] روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۲۵۳ - ۱۲

[3] ادب الدنیا والدین صفحہ - ۱۲

[4] ادب الدنیا والدین صفحہ - ۱۲

والاقتصاد بلغنی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ قال الرأی الحسن جزء من خمسۃ وعشرین جزأ من النبوۃ

سے پکڑنا چاہیئے۔ مجکو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت پہونچی ہے وہ فرماتے تھے کہ اچھی راے ایک جزء ہے نبوۃ کی پچیس اجزا میں سے۔

اقوال عقلاء و بلغاء و ارباب سیاسۃ

(اس موقع پر علاوہ اہل اسلام دوسرے عقلاء کے مقولے بھی نقل کئے جائینگے)

(۱) خلیفہ(۱) منصور عباسی نے اپنی بعض اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

خذ عنی ثنتین لا تقل فی غیر تفکیر ولا تعمل بغیر تدبیر

(دو باتیں مجھ سے حاصل کرلے بغیر سوچے زبان سے کچھ بات نکال اور بغیر تدبیر کے کام نکر۔)

(۲) فضل(۲) کا مقولہ ہے۔

المشورۃ فیہا برکۃ وانی لاستیشر حتی ہذہ الحبشیۃ الاعجمیۃ۔

(مشورہ میں برکت ہے میں مشورہ کرتا ہوں یہاں تک کہ اس عجمی باندی سے۔)

(۳) بعض عقلاء کا مقولہ ہے۔

الرأی(۳) السدید احمی من البطل الشدید

(سیدھی اور سچی رائے سخت دلیر اور بہادر سے زیادہ محافظ ہوتی ہے۔)

(۴) ایک دانشمند اعرابی کا قول ہے۔

لا(۴) مال اوفر من العقل ولا فقر اعظم من الجہل ولا ظہر اقوی من المشورۃ

(کوئی مال عقل سے کثیر اور وافر نہیں۔ جہل سے بڑھکر کوئی فقر و محتاجی نہیں کوئی سواری مشورہ سے زیادہ قوی نہیں ہے۔)

(۵) بعض بزرگوں کا قول ہے۔

من(۵) بدء بالاستخارۃ وثنی بالاستشارۃ

(جو شخص اپنے کام کے لئے اول استخارہ کرے اور بعد میں

(۱)، (۲)، (۳)، (۴)، (۵) مستطرف جلد اول صفحہ ۷۰ ۔ ۱۲۸ ۔

فحقیق ان لا یخیب رایہ ۔	مشورہ کرے تو وہ اس امر کا مستحق ہو کہ اس کی رائے کامیاب ہو

(۶) عبدالحمید کا قول ہے ۔[۵۲]

المشاور فی رایہ ناظر من ورائہ ۔	(اپنے معاملہ میں مشورہ کرنے والا ایسا ہی جیسا اپنی پس پشت کی چیز دیکھنے والا ۔)

(۷) بعض بلغار کا قول ہے ۔[۵۳]

حق العاقل ان یضیف الی رایہ رای العقلاء ۔	(عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کیساتھ عقلاء کی رائے کو ملا لیوے ۔)

(۸) حسن کا مقولہ ہے ۔

الناس ثلاثۃ فرجل رجل ورجل نصف رجل ورجل لا رجل فاما الرجل الرجل فذو الرای والمشورۃ واما الرجل الذی ھو نصف رجل فالذی لہ رای ولا یشاور واما الرجل الذی لیس برجل فالذی لیس لہ رای ولا یشاور	آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو پورا آدمی ہے دوسرا وہ جو آدھا ہے ۔ تیسرا وہ جو کچھ بھی نہیں ہے ۔ وہ شخص جس کو مرد کامل کہنا چاہئے ۔ وہ ہے جو خود صاحب رائے ہے اور مشورہ بھی کرتا ہے ۔ اور وہ جس کو نصف آدمی کہنا چاہئے وہ شخص ہے جو خود تو ذی رائے اور صاحب عقل و ہوش ہے مگر مشورہ نہیں کرتا اور جو بالکل ہی آدمی نہیں وہ وہ ہے جو نہ خود ذی رائے ہے اور نہ دوسروں سے مشورہ کرتا ہے ۔

حسن کے اس مقولہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس ارشاد میں جس کو ابھی نقل کر چکے ہیں ۔ اختلاف ظاہر ہے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو مرد کامل اس کو قرار دیا ہے ۔ جو معاملات کی تدبیر و اصلاح اپنی رائے سے کر سکے ۔ دوسروں کی مشورہ کا خواہ مخواہ محتاج نہ ہو ۔ اور حسن مرد

---

[۵۱] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۳۰ ۔ ۱۲

[۵۲] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ ۔ ۱۲

[۵۳] مستطرف جلد اوّل صفحہ ۷۶ ۔ ۱۲

کامل اُس شخص کو کہتا ہے جو باوجود ذی رائے و تدبیر ہونے کے دوسروں سے مشورہ کرے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے درجہ کا آدمی اس کو فرماتے ہیں جو مشکلات میں مشورہ کے بعد کام کرے۔ اس میں دونوں صورتیں داخل ہیں خود بھی ذی رائے ہو اور مشورہ بھی کرے اور خود ذی رائے نہ ہو مگر مشورہ کرے۔ حالانکہ حسن صورت اول کو یعنی ذی رائے بھی ہو اور مشورہ بھی کرے مرد کامل کی صورت کہتے ہیں۔ یہ اختلاف ظاہر ہے اور اُس کے ساتھ ہی یہ اختلاف بھی مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے ارشاد سے تو چار صورتیں مفہوم ہوتی ہیں۔

۱۔ فقط اپنی رائے و تدبیر سے حل معاملات کرے۔

۲۔ صاحب رائے اور مشورہ بھی کرے۔

۳۔ صاحب رائے نہ ہو مگر مشورہ کرے۔

۴۔ نہ صاحب رائے ہے اور نہ مشورہ کرتا ہے اور نہ مشیر کی اطاعت کرتا ہے۔ اور حسن کے قول میں صرف پہلے دوسری اور چوتھی صورت سے بحث کی گئی ہے۔
تیسری صورت سے یعنی ذی رائے نہ ہو مگر مشورہ کرے بحث نہیں کی۔ حالانکہ جب اُس نے اس احتمال کو لیکر کہ نہ خود صاحب رائے ہو اور نہ مشورہ کرے ایسے شخص کو آدمیت کے درجہ سے بالکل خارج کر دیا ہے تو اُس شخص کا بھی جو ذی رائے تو نہیں مگر مشورہ کے بعد کام کرتا ہے درجہ ضرور قائم کرنا چاہیئے تھا۔
اختلاف اول کو دیکھا جاتا ہے تو عقل کی رو سے حسن کا قول صحیح اور معتمد معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب حضرت عمر کی جلالت شان اور انتہائی تدبیر و سیاست کی طرف نظر اٹھائی جاتی ہے تو حسن کا قول اُس کے معاملہ میں قابل تسلیم نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف نہیں ہے حسن جن تین درجوں سے بحث کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے اُس سے اوپر بھی ایک درجہ قائم کیا ہے۔ حسن کی مراد تو صاحب رائے سے وہی شخص ہے جس کو عقل و تدبیر ظاہری سے پورا حصہ ملا ہو۔ لیکن حضرت عمر کی نظر اس سے عالی درجہ پر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو

عقل عطا فرما کر نیک و بد کی تمیز پر قادر کر دیا ہے۔ اتنی بات میں مومن و کافر مسلم و غیر مسلم سب شریک ہیں عقل جو فطرتاً انسانی ترکیب کا جزو داخلی ہے۔ اُس کو تجربہ سے ترقی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے عاقل غیر مجرب سے عاقل مجرب کا درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن عقل کی ترقی جیسی تجربہ اور ممارست سے ہوتی ہے اور اس حصہ میں بھی انسان کے سب افراد شریک ہیں۔ اسی طرح عقل کی تائید اور تقویت خدا کے نور و ہدایت سے ہوتی ہے۔ جس کو فراست ایمانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عقل کیساتھ جب فراست ایمانی بھی مل جاتی ہے تو اس کا درجہ ہزاروں مشوروں اور تجربوں سے فائق تر ہو جاتا ہے۔ ہزار دانشمند آدمی ملکر بھی کبھی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے لیکن ایک مومن فراست ایمانی کی بدولت صحیح نتیجہ تک بے تامل پہونچ جاتا ہے اور اُس وقت اس کیلئے یہ لازمی نہیں ہوتا کہ مشیروں کی جماعت کا اگرچہ کتنی ہی بڑی تعداد میں اور کیسے ہی تجربہ کار کیوں نہو اتباع کرے۔ بلکہ ان اصحاب رائے و تجربہ کو مومن کی فراست ایمانی کا اتباع کرنا چاہئے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہوا ہے۔

اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ | مومن کی فراست سے ڈرنا چاہئے کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔

یعنی مومن اگرچہ فراست ایمانی سے کوئی بات کہے اُس کو یوں ہی نہ سمجھو وہ جو کچھ کہتا ہے نور خداوندی کی ہدایت سے کہتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتب میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص کی نظر راستہ میں اجنبی عورت پر شہوت سے پڑ گئی۔ اُس کے بعد داخل ہوا تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ بعض شخص مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور آثار زنا اُن کے چہرہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اُس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی آتی ہے۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ وحی نہیں بلکہ فراست مومن ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کا یہ فرمانا قیافہ یا آنکھوں کے آثار پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ آپ کو بذریعہ فراست زنا کے آثار کا احساس ہوا اور اسی وجہ سے اس قدر تیقن کے ساتھ فرمایا۔ اگر محض رائے و قیاس ہوتے تو کبھی آپ ایسا حکم نہ لگاتے۔

کیونکہ مومن کو محض رائے سے متہم کرنا بھی منع ہے۔

لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ صاحب فراست ایمانی کو مشورہ لینا منع ہے یا وہ مشورہ سے بالکل مستغنی ہے۔ کیونکہ خود صاحب وحی کو، گو کسی مصلحت پر مبنی ہو۔ مشورہ کا حکم ہے۔ اور صاحب فراست ایمانی جب اس درجہ کا نہیں ہے تو اُن کے لئے نہ مشورہ ممنوع ہے۔ اور نہ ایسا مستغنی البتہ بسا اوقات اُس کو حاجت نہیں ہوتی۔

پس جہاں تک ہم نے غور کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا منشاء یہ ہے اور یہ درجہ حسن کے پیش نظر نہیں ہے جو محض ایک صاحب تدبیر و سیاست وزیر ہو۔

رہا دوسرا اختلاف سو وہ قابل التفات و خیال نہیں ہے۔ کیونکہ احتمال کل چار ہیں۔

(۱) صاحب رائے ہو اور مشورہ بھی کرے۔

(۲) صاحب رائے ہو اور مشورہ نہ کرے۔

(۳) صاحب رائے نہ ہو اور مشورہ کرے۔

(۴) نہ صاحب رائے ہو اور نہ مشورہ کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چار کے علاوہ ایک درجہ فراست ایمانی والے کا قایم فرمایا جس کو اوّل صورت میں بیان فرمایا ہے۔ اور ان چاروں میں سے صرف دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ اور باقی دو کو انہیں کے اندر داخل سمجھ کر اُن کی حالت کو صراحتاً بیان نہیں فرمایا۔ اُن کے بیان میں بعد صاحب فراست ایمانی کے دوسرا درجہ اُس شخص کا ہے جو مشکلات میں مشورہ کر کے اہل الرائے کی رائے کا اتباع کرتا ہے۔ اس درجہ میں دونوں شخص داخل ہیں جو صاحب رائے ہیں وہ بھی۔ اور جو صاحب رائے نہیں وہ بھی۔ علیٰ ہذا تیسرا درجہ اُس شخص کا رکھا ہے جو حیران ہے نہ مشورہ کرتا ہے اور نہ مشیر کا اتباع کرتا ہو۔ اس میں بھی دونوں شخص داخل ہیں جو صاحب رائے ہیں اور مشورہ نہیں کرتے اور جو صاحب رائے بھی نہیں اور مشورہ بھی نہیں کرتے۔

ایسے ہی حسن نے اِن چار صورتوں میں سے تین کی تو تصریح کر دی۔ البتہ ایک صورت

کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ یعنی جو شخص کہ خود تو صاحب رائے نہیں ہے۔ مگر اہل الرائے سے مشورہ کر لیتا ہے اُس کو نہ کامل رجل میں داخل کیا ہے۔ نہ نصف میں اور نہ لارجل میں۔ ظاہر ہے کہ لارجل میں تو وہ داخل ہو ہی نہیں سکتا۔ اب یا تو کامل رجل ہوگا یا نصف رجل۔ لیکن کامل رجل کہنا بھی بعید از عقل و قیاس ہے۔ اس لئے لامحالہ نصف رجل میں داخل ہوگا۔ اور یہ داخل ہونا بالکل بیّن و ظاہر ہے کیونکہ صورت ثانیہ میں وہ شخص نصف رجل کے درجہ میں رہا جس نے گو خود ذی رائے ہے مگر ترک مشورہ کر کے پُرخطرہ راہ اختیار کی ہے۔ تو وہ شخص جو گو ذی رائے نہیں ہے مگر اپنے معاملہ کی باگ اہل الرائے کے ہاتھ میں دیدی ہے۔ بدرجہ اولیٰ اس درجہ میں رہیگا۔ اور اس کا درجہ اُس نصف رجل کے درجہ سے بڑھا رہیگا جو صورت ثانیہ میں بیان کیا گیا۔ بلکہ وہ قریب تر رجل کامل کے ہوگا اور چونکہ اس کا درجہ ظاہر و باہر تھا۔ اس وجہ سے حسن نے صراحتاً اس کا ذکر نہیں کیا۔

غرض اختلاف کچھ نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان فرمودہ صورت اوّل سے تو حسن نے بحث ہی نہیں کی بلکہ۔ باقی چار صورتوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو کا ذکر صراحتاً فرما دیا۔ اور دو کا ضمناً اور حسن نے تین کا ذکر صراحتاً اور ایک کا ضمناً۔

(۹) بعض عقلاء کا قول ہے۔[1]

من بدء بالاستخارة وثنّى بالاستشارة فحقیق ان لا یخیب رایہ۔

(جو شخص اوّل اپنے رب سے استخارہ کرے اور پھر وہ کام کرے تو وہ مستحق اس امر کا ہے کہ خائب و خاسر نہ ہو۔)

(۱۰) ابن المعتز[2] عباسی کا قول ہے۔

المشورة راحة لك وتعب على غيرك

(مشورہ تیرے لئے راحت ہے اور دوسرے پر مشقت و تعب ہے۔)

یعنی مشورہ سے دوسرے پر بوجھ پڑ جاتا ہے اور تو خود خطا اور ملامت اور شماتت اعداء سے

[1] مستطرف صفحہ ۶۴ و ۶۵ ج ۱

[2] مستطرف صفحہ ۶۴ ج ۱

محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۱۱) بعض عقلاء[1] کا قول۔

اذا استخار الرجل ربه واستشار صحبه واجهد رایه فقد قضا ما علیه و یقضی الله فی امره ما یحب۔

(جب آدمی اپنے رب سے استخارہ کرے اور اپنے دوستوں سے مشورہ کرلے اور اپنی عقل و دانش کو پورا صرف کر چکے تو وہ اپنا فرض ادا کر چکا۔ اب خدا تعالیٰ اس کے معاملہ میں جو چاہے کرے۔)

مطلب یہ ہے کہ نتیجہ کا حسب مدعا ظاہر ہونا بشر کے اختیار میں ہے اور نہ قدرت میں داخل۔ اُس کے اختیار میں جو بات ہے اور جس کی پابندی اُس کو کرنی چاہیئے وہ صرف یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آئے اور اُس کے دونوں جانب فعل و عدم فعل کے مفید نتائج میں متردد ہو تو اول اپنے رب سے استخارہ کرے۔ پھر مشورہ اور اُس کے بعد اپنی رائے کا زور لگا کر ایک جانب کو اختیار کرے۔

(۱۲) کان[2] یقال من اعطی اربعا لم یمنع اربعا من اُعطی الشکر لم یمنع المزید ومن اُعطی التوبة لم یمنع القبول و من اُعطی الاستخارة لم یمنع الخیرة ومن اُعطی المشورة لم یمنع الصواب۔

(یہ مقولہ منقول چلا آتا ہے کہ جس شخص کو چار باتیں حاصل ہو گئیں اسے چار امور سے بھی محروم نہیں رکھا جاتا جو شخص نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہو وہ مزید نعمتوں سے محروم نہیں رہتا۔ اور جس کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہو۔ قبول توبہ سے محروم نہیں رہتا۔ اور جس نے خدا سے استخارہ کر لیا اُس کو امور خیر کی توفیق ہوتی ہے اور جس نے مشورہ کر لیا صواب سے محروم نہیں رکھا جاتا۔)

(۱۳) قبیلہ عبس[3] کے ایک شخص سے کسی نے کہا۔ کیا بات ہے تم لوگ معاملات میں خطا بہت کم کرتے ہو۔ اُس نے جواب میں کہا۔

---

[1] مستطرف صفحہ ۶۲ و ۶۹ - ۱۲

[2] مستطرف صفحہ ۶۵ - ۱۲

[3] عقد مزید جلد اول صفحہ ۱۹ - ۱۲

نحن الف رجل وفینا حازم واحد
فنحن نشاورہ فکنا الف حازم۔

(ہم ایک ہزار شخص ہیں۔ اور ہم میں ایک شخص دانشمند۔ مدبر اور تجربہ کار ہے۔ ہم اس سے مشورہ کرتے ہیں تو گویا ہم ہزار دانشمند اور مدبر ہیں۔)

مطلب یہ ہے کہ ہم بغیر مشورہ کے کام نہیں کرتے۔ اور ایک مدبر و تجربہ کار کا مشورہ قبول کرتے ہیں۔ تو گویا ہم ہزار کے ہزار مدبر و دانشمند ہیں۔ جو مشاورت باہمی کے بعد معاملات طے کرتے ہیں۔ پھر ہم کیوں کر خطا پر قائم رہ سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب بغیر سوچے سمجھے اس ایک شخص کا اتباع کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ ہم خود بھی ذی رائے و تدبیر ہیں۔ مگر ایک تجربہ کار و دانشمند کا قول سب پر مرجح ہوتا ہے۔ اور انجام میں ہم متفق ہو جاتے ہیں۔ اور یہی قاعدہ عقلاء دنیا کا ہے کہ تجربہ کار و مدبر کا قول ہمیشہ مرجح سمجھا جاتا ہے۔

(۱۴) ایک شاعر[1] کہتا ہے۔

الرای کاللیل مسود جوانبہ
والیل لا ینجلی الا باصباح

رائے مثل شب تاریک کے ہے کہ اس کے اطراف سیاہ ہیں
اور رات کا اندھیرا بغیر صبح کے زائل نہیں ہوتا۔

فاضمم مصابیح اراء الرجال الی
مصباح رایک تزدد ضوء مصباح

لوگوں کی رائے کی مشعل کو اپنی چراغ کے ساتھ ملا لینے سے تیرے چراغ کی روشنی زیادہ ہو جائے گی

مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی رائے سے ایک پہلو کو سمجھتا ہے۔ مگر جیسا کہ رات میں اگرچہ قریب کی چیز کا احساس وادراک ہو جاتا ہے مگر ذرا فاصلہ کی چیز نظر نہیں آتی۔ اسی طرح تنہا اپنی رائے سے تمام پہلو روشن نہیں ہوتے وہ برابر معرض خفا میں رہتے ہیں۔ لیکن جب صبح ہو کر شب کی تاریکی زائل ہو جاتی ہے تو مشرق و مغرب جنوب و شمال کی تمام چیزیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب اپنی رائے کیساتھ دوسروں کی رائے کو ملا لیا گیا تو گویا ایک چراغ کے ساتھ جس کی روشنی تھوڑی دور تک پھیلی ہوئی تھی ہزاروں شمعوں کو روشن کر دیا۔ اور عالم کے نورانی

[1] عقد مزید جلد اول صفحہ ۱۹ ۔ ۱۲

ہو جانے سے خود اُس کے چراغ کی روشنی بھی بڑھ گئی۔ اور اطراف وجوانب کی سب چھوٹی بڑی چیزیں ظاہر و نمودار ہو گئیں۔

سچ یہ ہے کہ اس شاعر نے مشورہ کے فوائد و نتائج کو بہت ہی خوبی اور لطافت کیساتھ بیان کیا ہے۔ کیسا صحیح ارشاد ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

ان من الشعر لحکمۃ۔	(بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔)

یعنی شعر کو محض تک بندی اور تخیلات کا مجموعہ ہی نہ سمجھو اُن میں بہت سی حکمت کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔

(۱۵) بعض بلغا[۵۱] فرماتے ہیں۔

من حق العاقل ان یضیف الی رایہ آراء العقلاء ویجمع الی عقلہ عقول الحکماء فان الرای الفذ ربما ذل والعقل الفرد ربما ضل۔	(عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ عقلاء کی رائے کا اضافہ کرے۔ اور اپنی عقل کے ساتھ حکماء کی عقل کو جمع کرے۔ کیونکہ اکیلی رائے بسا اوقات ذلیل ہوتی ہے۔ اور تنہا عقل بسا اوقات گمراہ۔)

(۱۶) عرب[۵۲] کا ایک نابینا شاعر بشار بن برد اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

اذا بلغ الرای المشورۃ فاستعن	بحزم نصیح او نصاحۃ حازم

جب کسی معاملہ میں مشورہ کی نوبت آئی تو خیر خواہ کی دانشمندی یا دانشمند کی خیر خواہی سے امداد لینی چاہیے۔

ولا تجعل الشوری علیک غضاضۃ	فان الخوافی قوۃ للقوادم
مشورہ کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھ	کیونکہ چھوٹے پر بڑے پروں کے لئے قوت بنتے ہیں

شاعر نے اوّل شعر میں مشیر کے شرائط کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن اس کی تشریح ہم مشورہ کے آداب شرائط میں کریں گے۔ دوسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے مشورہ لینے

---

[۵۱] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰۔ ۱۲۱

[۵۲] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱۔ ۱۲

کو اپنے لئے حقارت کا سبب نہ سمجھے۔ یہ خیال نہ کرے کہ کسی سے مشورہ لینے میں میری نادانی یا ناواقفیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ شخص کیسا ہی دانشمند اور تجربہ کار ہو اور مشیر اس درجہ کا نہ ہو۔ کیونکہ قوی کو بھی بسا اوقات ضعیف سے تقویت پہونچ جاتی ہے دیکھو پرندکے بازو میں بہت سے پر ہوتے ہیں ایک وہ جنکو شہپر کہتے ہیں۔ اور پرند کے اوڑنے کا مدار انہیں پر ہوتا ہے۔ دوسرے چھوٹے چھوٹے پر جنکو خوافی کہتے ہیں۔

لیکن شہپر اپنی قوت سے کام لینے میں ان پروں کا ایک حد تک محتاج ضرور ہے۔ اور اس کو ان سے قوت ضرور پہونچتی ہے۔

اس بیان کی تائید اس حکمت کے مشہور مقولہ سے ہوتی ہے۔ جو ادب الدنیا والدین[۵۱] میں نقل کیا گیا ہے۔

وقد قیل فی منثور الحکم من اکثر المشورۃ لم یعدم عند الصواب مادحا وعند الخطاء عاذرًا وان کان الخطاء من الجماعۃ لعیدًا۔	حکمت کے بکھرے ہوئے موتیوں میں یہ مقولہ بھی ہے۔ جو شخص بکثرت مشورہ کرتا رہتا ہے تو وہ دو حال سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ در صورت صواب اس کے مادح موجود ہوتے ہیں اور درصورت خطا معذور سمجھنے والے۔ اگرچہ ایسا شخص اکثر صواب پر ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ ساری جماعت کا خطا پر قائم رہنا ایک امر بعید از عقل ہے۔

(۱۷) قاضی[۵۲] ابوالحسن ماوردی اس مضمون مذکورہ کی تائید اس طرح فرماتے ہیں۔

ولا ینبغی ان یتصور فی نفسه انه ان شاور فی امره ظهر للناس ضعف رایه وفساد رویته حتی افتقر الی رای غیره فان هذه معاذیر النوکی	مشیر کو اپنے دل میں یہ خیال کر لینا لائق نہیں ہے کہ اگر وہ اپنے معاملات میں کسی سے مشورہ کرے گا تو لوگوں میں اس کی رائے کا ضعف اور فکر کا فساد ظاہر ہو جائیگا۔ رائے کا ضعف اور فکر کا نقصان نہ ہوتا تو کسی کی رائے کا کیوں محتاج ہوتا۔ اس قسم

[۵۱] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱۔ ۱۲

[۵۲] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱۔ ۱۲

ولیس یراد الرای للمباھاۃ وانما یراد للانتفاع بہ والتحرز من الخطأ عند اللہ وکیف یکون عارا ما ادی الی صواب وعن خطاء

کے خیالات احمقوں کے خیالات ہیں۔ رائے اور مشورہ فخر و مباہات کے لئے نہیں ہوتے اُن سے تو انتفاع مقصود ہوتا ہے۔ جو چیز کہ صواب تک پہونچادے اور خطا سے محفوظ رکھے وہ عار کی بات کیونکر ہو سکتی ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ مشورہ لینے کے اندر نتیجہ اور فائدہ مترتبہ کا دھیان رکھنا چاہئے محتاج مشورہ کو اظہار فخر و مباہات کی وجہ سے کہ ہم ایسے مستقل اور صائب الرائے ہیں ہم کو کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں ترک مشورہ نہ کرنا چاہئے۔ اور نہ مشیر کو مشورہ دینے کے وقت اپنی بڑائی اور محتاج الیہ ہونے کی طرف دھیان رکھنا چاہئے۔ اگر بالفرض مستشیر نے اپنے فخر و مباہات ہیں کمی آجانے کے خیال سے مشورہ نہ لیا اور نتیجہ خلاف اُس کی توقع کے ظاہر ہوا تو وہ چند ساعت کا فخر بھی زائل ہو کر ہمیشہ کی ندامت حاصل ہوئی اور مقصود فوت ہو جانے سے نقصان بھی اٹھایا۔ اور بعد مشورہ مقصود حاصل ہو گیا تو حصول مقصود اُس چند ساعت کے فخر سے ہزار مرتبہ فائق و برتر ہوگا۔ بلکہ اُس کی دانشمندی۔ حزم۔ و تدبر کا سکہ بیٹھکر ہمیشہ کا فخر حاصل ہو جائیگا۔

(۱۸) بعض[۱] بلغا، فرماتے ہیں۔

اذا اشکلت علیک الامور وتغیر لک الجمھور فارجع الی رای العقلاء و افزع الی استشارۃ العلماء ولا تانف من الاسترشاد ولا تستنکف من الاستمداد فلان تسأل وتسلم خیر لک من ان تستبد وتندم۔

(جب تجھکو معاملات میں اشکال پیش آجائیں اور عام خیالات تجھ سے منحرف ہو جائیں تو تجھکو عقلاء کی رائے کی طرف رجوع کرنا اور گھبرا کر علماء سے مشورہ کرنا چاہئے۔ طلب رشد و امداد میں حیا و غیرت نہ کرنی چاہئے۔ لوگوں سے مشورہ لیکر اور دریافت کر کے سالم و غانم رہنا مستقل الرائے بنکر انجام کار نادم و پشیمان ہونے سے بہتر ہے۔

(۱۹) حکیم لقمان[۲] نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔

سلہ سلہ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ - ۱۲

من جرب الامور فانه يعطيك من رائه ما قام عليه بالغلاء و انت تاخذه مجانا۔

(تجربہ کار تجھکو وہ رائے دیتا ہے جو اُسکو نہایت گراں قیمت پڑی ہے۔یعنی نہایت مشقت و تحمل مصائب کے بعد حاصل ہوئی ہے۔اور تو اُس کو مفت بلا تعب اڑا تا ہے)

(۲۰) بعض[1] بلغا فرماتے ہیں۔

الخطاء مع الاسترشاد احمد من الصواب مع الاستبداد۔

(مشورہ اور طلب رشد کے بعد خطا میں مبتلا ہو جانا اس سے زیادہ محمود ہے کہ تو استقلال رائے سے راہ صواب پر رہے)

حاصل یہ ہے کہ مشورہ لینے کے بعد اگرچہ رائے خطا پر ہی قایم رہے نتیجہ مطلوبہ حاصل نہو لیکن پھر بھی وہ اس سے بہتر ہے کہ مستقل اور خود رائی سے نتیجہ مطلوبہ حاصل کرے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ نتیجہ کا ترتب نہ مشیر کے ہاتھ میں ہے۔نہ مستشیر کے اختیار میں۔

عقلا محض اسباب پر ثمرات کا ترتب دیکھتے ہیں۔لیکن جب ایک ہی ثمرہ کے لئے اسباب بہت سے ہوتے ہیں تو پھر اسباب کا نتیجہ تک پہونچ جانا ضروری امر نہیں ہے۔موانع تاثیر اسباب ترتب نتیجہ سے عائق و مانع ہو جاتے ہیں اور یہ بھی ضرور نہیں کہ ایک یا چند عقلار بلکہ تمام اسباب پر مطلع ہو جائیں اور کل موانع کا اُن کو علم ہو جائے۔اگر ایسا ہوتا تو ایک قرن کے عقلا رجب تجربیات کے متعلق اپنی تمام قوتیں صرف کر چکے تو چاہیے تھا کہ قرن مابعد میں انکشافات جدیدہ کا سلسلہ بالکل مسدود ہو جاتا۔حالانکہ ایسا نہیں ہو۔تو ممکن ہے کہ مشورہ کے بعد بھی صحیح نتیجہ تک نہ پہونچ سکے۔اور بغیر مشورہ تنہا اپنی رائے سے وہاں تک پہونچ جائے۔

اور جب ترتب نتیجہ کا کسی کے ہاتھ میں نہیں اور یہ ممکن ہو کہ تنہا ایک شخص کی رائے صحیح ہو اور چند عقلار کی رائے بلکہ بھی صحیح نہو۔تو اب ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جب اپنی خود رائی کے باوصف صحیح نتیجہ تک پہونچ گیا اور کسی معاملہ میں باوجود مشورہ مقصود تک رسائی نہوئی تو اُس کو اپنی رائے پر زعم ہو جائے اور وہ خود رائی کو مایہ الاعتماد ٹھیرا کر ہمیشہ اسی طریق کو پسند کرنے لگے۔لیکن

[1] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰

اس کے ساتھ ہی تجربہ سے ثابت ہوچکا ہی کہ اکثر و بیشتر عقلا، کی جماعت جو رائے قایم کرتی ہی وہ صحیح اور نتیج ہوتی ہے پس ایسا مستقل الرائے مستبد شخص ایک دفعہ خودرائے واستبداد کے بعد صحیح نتیجہ تک پہونچنے سے ہمیشہ کے لئے گمراہ ہوجائیگا۔ اور وہ خود رائے کو محمود و نتیج سمجھکر بار بار غلط کاریوں میں مبتلا ہوگا اور جب ایسا ہی تو ظاہر ہے کہ بعد مشورہ اگرچہ خطا پر ہی رہے اُس سے بہتر ہوگا کہ استقلال رائے سے صحیح نتیجہ پر پہونچ جائے کیونکہ اوّل صورت میں وہ ملام و مطعون تو نہوگا۔ اور بقاعدہ نظام عالم مشورہ کا پابند رہ کر مطالب تک پہونچنے میں کامیاب ہوتا رہیگا۔ برخلاف صورت ثانیہ کے کہ جب خودرائے واستبداد کا خوگر ہوکر غلط کار نیچا ئیگا تو مطعون خلائق جدا بنے گا۔ اور نقصان مایہ وشماتۃ ہمسایہ کا مصداق علیحدہ ہوگا۔

(۲۱) ایک[۵۱] شاعر کہتا ہے۔

خَلیلیَّ لیس الرای فی جنب واحد	اشیرا علی بالذی تریانی
میرے دوستو رائے ایک شخص کے پہلو میں نہیں ہوتی	تم مجھکو اس بات کا مشورہ دو جسکو تم بہتر سمجھتے ہو

(۲۲) سیف[۵۲] ابن ذی یزن کا مقولہ ہے۔

من اعجب برایه لم یشاور و من استبد برایه کان من الصواب بعیدا	(جسکو اپنی رائے پر گھمنڈ اور زعم ہوتا ہے وہ مشورہ نہیں کرتا اور جو خودرائی سے کوئی کام کرتا ہی صواب سے دور رہتا ہے)

(۲۳) بعض[۵۳] ادبا، کا مقولہ ہے۔

ماخاب من استخار و لا ندم من استشار۔	(جس شخص نے اپنے رب سے استخارہ کرلیا نامراد نہیں رہا اور جس نے مشورہ کے بعد کام کیا نادم نہیں ہوا۔)

(۲۴) بعض[۵۴] حکما فرماتے ہیں:۔

---

[۵۱] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ - ۱۲ -

[۵۲] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ - ۱۲ -

[۵۳] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰ - ۱۲ -

[۵۴] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ - ۱۲ -

نصف رایك مع اخيك فشاوره ليكمل لك رايك ـ	(تیری رائے کا نصف حصہ تیرے بھائی کے پاس ہے ـ تجھکو اس سے مشورہ ضرور کرنا چاہئے کہ تیری رائے کامل ہوجائے)

(۲۵) ایک حکیم[۵۱] فرماتے ہیں ـ

من كمال عقلك استظهارك على عقلك ـ	تیری دانشمندی یہ ہے کہ تو اپنی عقل کے لئے دوسری عقول کو مددگار بنائے ـ)

(۲۶) اہل فارس[۵۲] کی مقالات حکیمہ میں کا ایک مقولہ ہے ـ

اضعف الحيلة خير من اقوى الشدة واقل التأني خير من اكثر العجلة والدولة رسول القضاء المبرم ـ واذا استبد الملك برايه عميت عليه المراشد ـ	(ضعیف تر تدبیر نہایت سخت شدۃ سے بہتر ہے ـ تامل و غور کے بعد تھوڑا سا کام کرنا عجلت کیساتھ بہت سے کام سے بہتر ہے اور دولت قضاء مبرم کا پیام رساں ہے ـ اور جب بادشاہ اپنی رائے میں مستقل ہوجائے تو ہدایت کے راستے اس سے مخفی ہوجاتے ہیں ـ)

(۲۷) ایک حکیم[۵۳] کا قول ہے :ـ

المشورة موكل بها التوفيق لصواب الراى	مشورہ کیساتھ رائے صواب کی طرف موفق ہونا لگا ہوا ہے ـ)
(۲۸) وصف[۵۴] رجل عضد الدولة فقال له وجه فيه الف عين وفم فيه الف لسان وصدر فيه الف قلب ـ	ایک شخص نے عضدالدولہ کی تعریف میں کہا اس کے چہرہ میں ہزار آنکھیں اور منہ میں ہزار زبانیں اور سینہ میں ہزار دل ہیں ـ)

مطلب یہ ہے کہ عضدالدولہ خود فہیم صاحب رائے صائب اور مقرر ہے ـ وہ خود اپنی رائے سلیم سے معاملات کے کنہ اور حقیقت کو سمجھتا ہے اور دوسرے اہل الرائے و تجربہ کار اشخاص سے

---

[۵۱] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ ـ ۱۲

[۵۲] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۲ ـ ۱۲

[۵۳] مستطرف صفحہ ۷۹ ـ ۱۲

[۵۴] ادب الدنیا والدین ۱۲

مشورہ کرتا ہے۔ پس گو اُس کے چہرہ میں صرف دو آنکھیں نہیں بلکہ ہزار ہیں ایسے ہی اُس کے مونہہ میں ایک زبان نہیں بلکہ ہزار زبانیں ہیں یعنی ہر ایک کیساتھ مناسب حال گفتگو کرتا ہے اور اپنے مطلب و مدعا کو نہایت فصاحت و بلاغت و خوش اسلوبی سے ذہن نشین کرنے پر قادر ہے۔ ایسے ہی اُس کے سینہ میں ایک دل نہیں بلکہ ہزار ہیں۔ ایک دل میں کتنا ہی ادراک و فراست کا مادہ بھرا ہوا ہو۔ مگر ایک ایک ہی ہے۔ اور جب اُس کے ساتھ دوسرے روشن دل بھی ملے ہوئے ہیں اور اُن کے مفید مشوروں اور سالہا سال کے تجربوں سے منتفع ہو چکا ہو تو اب وہ تنہا نہ رہا۔ بلکہ اُس کے ایک دل میں ہزار دل مضمر و مستتر ہیں۔

اس شخص نے عجیب لطافت سے عضد الدولہ کی مداح سرائی کی۔ آدمی میں دو قسم کی خوبیاں ہو سکتی ہیں۔

(۱) صاحب عقل و تدبیر فراست و دانش ہو۔

(۲) اہل رائے و تجارت کے مشاورۃ سے متمتع ہونے میں کسی قسم کی نخوت و کبر مانع نہ آئیں اپنی دانش و تدبیر پر اعتماد کرکے دوسرے عقلاء کے مشوروں سے مستغنی نہو جائے اُن کی رائے و مشورہ کو حقیر اور اپنے لئے موجب ننگ و عار نہ سمجھے۔

اس نے عضد الدولہ کی تعریف میں ایسے الفاظ کا استعمال کیا جن سے دونوں قسم کے اوصاف کی طرف اشارہ ہو گیا یعنی یہ کہ خود اتنا دانشمند عواقب امور پر نظر ڈالنے والا اور ہر معاملہ کی کنہ و حقیقت اور نتائج و ثمرات کو سوچنے سمجھنے والا ہے کہ گویا ایک آنکھ سے نہیں دیکھتا اور ایک قلب سے نہیں سوچتا سمجھتا بلکہ اتنا دیکھتا اور اس قدر سمجھتا ہے جتنا ہزار آنکھوں سے دیکھا جا سکتا اور ہزار دلوں سے سوچا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

اور یہ کہ وہ کسی معاملہ میں تنہا اپنی رائے و عقل سے اہم معاملات کو انجام دینا نہیں چاہتا بلکہ اپنے معتمد علیہ امراء و وزراء سے مشورہ لیکر طے کرتا ہے۔

(۲۹) اردشیر ابن مالک[۱] کا مقولہ ہے۔

ل مستطرف جلد اول صفحہ ۱۲۰

[۱] مستطرف جلد اول صفحہ ۱۲۰

اربعة تحتاج الی اربعة الحسب الی الادب والسرور الی الامن والقرابة الی المودة والعقل الی التجربة۔	(چار چیزیں ایسی ہیں جو کارآمد و منتج ہونے میں دوسری چار چیزوں کے محتاج ہیں حسب و شرافت ذاتی ادب و تہذیب کے محتاج ہیں اور سرور امن کا۔ قرابت و رشتہ داری محبت و مودت کی۔ عقل تجربہ کی۔)

ظاہر ہے کہ اگر کسی میں ذاتی جوہر شرافت و لیاقت کے موجود ہوں لیکن اس کی تہذیب و تادیب کما ینبغی نہوئی ہو تو اس کے ذاتی جوہر بھی زیادہ کارآمد نہیں ہوتے بلکہ یونہی رائگاں جاتے ہیں۔ اور کسی کو خوشی و مسرة کے اسباب نصیب ہوں لیکن امن و اطمینان حاصل نہیں ہے تو کیونکر ان اسباب عیش و مسرة سے متمتع ہو سکتا ہے اور باہم قرابت و رشتہ داری تو ہو مگر معاملہ مودت و محبت گم ہی تو ایسی قرابت کیا کام دے سکتی ہے۔

علی ہذا کتنا ہی دانشمند صاحب عقل و ہوش ہو مگر تجربہ کار نہیں تو تنہا اس کی عقل چنداں مفید نہیں بلکہ ناتجربہ کاری کی حالت میں عقل کی تیزی کبھی مضر ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آزمودہ ہونے کے لئے مشاورۃ ارباب تجربہ نہایت ضرور و لازمی جزو ہے۔

(۳۰) امیر مہلب ابن ابی صفرہ کہا کرتے تھے۔[۵۱]

ان من البلیة ان یکون الرائی بید من یملکه دون من یبصره۔	(سخت اور شدید تر مصیبت یہ ہے کہ رائے اس شخص کے ہاتھ میں ہو جو اس کا مالک ہے اور جو رائے کے تمام پہلوؤں کو دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں نہو۔)

یعنی محتاج مشورہ یا تو اہل الرائے سے مشورہ ہی نہ کرے اور یا کرے مگر اس کی رائے پر عمل نہ کرے اور خود اپنے معاملات کو طے کر لیا کرے۔

(۳۱) بعض حکماء سے دریافت کیا گیا کن امور سے عقل کی تائید و تقویت ہوتی ہے

---

[۵۱] عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹ - ۱۲

[۵۲] عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹ - ۱۲

اور وہ کیا باتیں ہیں جن سے عقل کو سخت نقصان و مضرتیں پہونچتی ہیں۔

فقال اشدها تائید اله ثلاثة اشیاء مشاورة العلماء وتجربة الامور وحسن التثبت واشدها اضرارًا به ثلاثة اشیاء الاستبداد والتهاون والعجلة۔

(حکیم نے جواب دیا کہ عقل کو سب سے زیادہ تین چیزوں سے تائید پہونچتی ہے۔ اول علماء سے مشورہ کرنا دوسرے معاملات کا تجربہ ہونا تیسری رائے میں متانت و ثبات ہونا اور سب سے زیادہ مضرت بھی اسکو تین چیزوں سے پہونچتی ہے خودرائی و استقلال تغافل و سستی۔ اور جلدبازی سے۔)

مشاورة اور تجربہ دو جداگانہ باتیں ہیں۔ مشاورة سے طریق حق و صواب کا انکشاف ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص معاملات میں مبتلا ہو کر تجربہ حاصل نہ کرے تو تنہا مشورہ لینا عقل کی تائید و تقویت کے لئے کافی نہیں ہے۔ اُس کی عقل جبھی کامل و مکمل ہوتی ہے۔ جب معاملات میں خود مبتلا ہو کر اہم سے اہم کاموں کو سرانجام دے۔ اور سرد و گرم حالات کے ذائقہ سے خود واقف ہو جائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جنکو معاملات کا اور خصوصاً اُس قسم کے معاملات کا جس میں مشورہ لیا جائے علم اور تجربہ ہو۔ خاص کسی فن کے عالم یا شریعت کے عالم مراد نہیں ہیں۔ ہاں اگر شریعت کے عالم متقی و متدین صاحب فراست ایمان ہوں تو اُن کا مشورہ دوسروں کے مشورہ سے بہت سے معاملات میں مرجح سمجھا جائیگا۔

(۳۲) ایک حکیم نے دوسرے حکیم کو کسی معاملہ میں مشورہ دیا تو مشورہ لینے والے حکیم نے اظہار شکر و امتنان کے موقعہ پر کہا۔

لقد قلت بما یقول به الناصح الشفیق الذی یخلط حلو کلامه بمره وسهله بوعره ویحرك الاشفاق

تو نے ایسے ناصح مہربان کی بات کہی جو اپنی شیرینی کو تلخی کے ساتھ اور سہل اور آسان کو دشواری کے ساتھ ملا تا ہے۔ اور جس کی شفقت و مہربانی اُس کے اندر ایسی ہمدردی کو حرکت

منه ما هو ساکن من غيره وقد وعيت النصح وقبلته اذ کان مصدره من عند من لا يشك في مودته و صفاء غيبه ونصح حبيبه وما زلت بحمد الله الى الخير طريقا واضحا و منارا بينا۔

(میں لاتی ہے جو دوسروں کے اندر حالت سکوں میں ہے۔ میں نے نصیحت کی بات کو سمجھا اور قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ اس شخص سے صادر ہوئی جسکی دوستی اور غائبانہ اخلاص اور دوست کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی میں شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تو ہمیشہ سے خیر کی طرف کھلا ہوا راستہ اور روشنی کا منار رہا ہے۔)

حاصل یہ ہے کہ خیر خواہی و ہمدردی اور مشورہ نیک میں بسا اوقات ایسے الفاظ اور ایسے لہجہ کا استعمال کرنا پڑتا ہے جو خلاف طبع اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی طالب مشورہ کی رائے کا میلان ایک جانب ہوتا ہے۔ اب اگر مشیر کے اندر اخلاص کامل و ہمدردی تام نہیں ہے تو وہ بوجہ رعایت مزاج ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے اور اگر ہمدردی پوری ہے تو اس کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ حسب ضرورۃ سخت اور درشت لہجہ میں بھی رائے دینے سے درگذر نہیں کرتا۔ یہ ظاہری صفائی اور درشتی اگرچہ تلخ معلوم ہوتی ہے مگر اس کے اندر وہ شیرینی ہے جس کی لذۃ سے ہمیشہ نفع اٹھاتا ہے۔ لیکن ظاہری تلخی کو برداشت کرنا اور اندرونی حلاوت پر نظر رکھنا بھی دانشمند لوگوں کا کام ہے۔ اور اسی دانش و تدبر کا نتیجہ ہے کہ یہ حکیم اپنے مشیر کا ایسے شاندار الفاظ میں شکریہ ادا کرتا ہے۔

(۳۳) حکمت[1] کے بکھرے ہوئے موتیوں میں سے ایک مقولہ یہ بھی ہے۔

كل شئ يحتاج الى العقل والعقل يحتاج الى التجارب ولذلك قيل الايام تهتك لك عن الاستار الكامنة

(ہر چیز عقل کی محتاج ہے اور عقل تجربوں کی حاجت مند ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ زمانہ پوشیدہ اور مخفی امور پر سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔)

(۳۴) بعض[2] حکماء کا قول ہے۔

---

[1] عقد فرید صفحہ ۱۲۰-۱۲

[2] عقد فرید صفحہ ۱۲۰-۱۲

التجارب لیس لھا غایۃ والعاقل منھا فی زیادۃ۔	(تجربوں کی کوئی انتہا اور غایۃ محدود میں نہیں ہے عاقل کے تجربات ہمیشہ ازدیاد میں رہتے ہیں۔)
(۳۵) ایک[1] حکیم فرماتے ہیں۔	
من استعان بذوی العقول فاز بدرك المامول۔	جو شخص ذوی العقول کی رائے و مشورہ سے مدد حاصل کرتا ہے۔ حصول مدعا میں کامیاب ہوتا ہے۔)

نصوص قرآن روایات احادیث اقوال سلف اُمۃ و عقلاء زمانہ سے مشورہ کی اہمیت و ضرورت اس کی غرض و غایت فوائد و نتائج ثمرات و برکات کا حال معلوم ہو چکا۔ اس بارہ میں اس سے زیادہ نقل روایات و اقوال کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے اسی قدر پر یہاں کفایت کر کے اب ہم مشورہ کے دوسرے مراتب پر بھی اسی طرح تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

مشورہ کے چار رکن ہیں۔

(۱) معاملات قابل مشورہ۔

(۲) اہلیۃ مشورہ۔

(۳) مستشیر یعنی محتاج و طالب مشورہ۔

(۴) مشیر یعنی مشورہ دینے والا۔

معاملات قابل مشورہ کی تفصیل و توضیح

سابق بیانات سے مشورہ کا اہم و ضروری منتج خیر و برکت ہونا اور ترک مشورہ کا موجب ابتلاء خطرات مہلکہ و ندامت و پشیمانی خیبۃ و خسران ہونا معلوم ہو چکا۔ لیکن ابھی یہ بیان کر دینا باقی ہے کہ مشورہ جب ایسا اہم اور ضروری ہے تو اس کا حکم ہر چھوٹی بڑی۔ جلیل و حقیر معاملہ کو مشتمل ہے۔ یا کچھ معاملات اس سے مستثنےٰ بھی ہیں جن میں مشورہ کی حاجت نہیں یا جن میں مشورہ کرنا بجائے رحمت ہونے کے موجب

---

[1] عقد فرید صفحہ ۱۲۰-۱۲۱

جہالت ہو جاتا ہے۔
سو معلوم کرنا چاہئے کہ مشورہ کا ایسے معاملات میں حکم ہے جس کی دونوں جانب محتمل نفع و ضرر ہوں۔ اور شریعت یا عقل یا عادت کے اعتبار سے کوئی جانب متعین اور یقیناً مشتمل منفعت نہو۔
اگر معاملہ ایسا ہے جس میں شریعت سے حکم صادر ہو چکا۔ اُس کے طریقے اور حدود معین کردیے گئے ہیں۔ ان میں کسی سے مشورہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات مشورہ نہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اوقات نماز کا ادا کرنا۔ یا ادا فریضہ زکوٰۃ یا حج وصوم سے سبکدوش ہونا ان معاملات میں شریعت کا صاف و صریح حکم موجود ہے۔ اُن کے شرائط و ادا کی مکمل تعلیم دیجا چکی ہے۔ اب بوقت نماز منادی خدائے جل وعلا بآواز بلند مسلمانوں کو خانہ خدا کی طرف ادا نماز کے لئے بلاتا ہے۔ ایسی حالت میں کوئی شخص مشورہ کرنے بیٹھے۔ کہ اس وقت نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں عین حماقت و نادانی میں داخل ہو گا۔ اور یہ مشورہ یقیناً معصیت ہو گا۔ البتہ ادا فرائض کے مختلف اسباب و ذرایع اور طرق میں سے کسی ایک طریق کو اختیار کرنے میں علماء یا اطباء یا اہل عقل و تجربہ سے مشورہ کرے تو جائز بلکہ بعض حالتوں میں واجب ہو گا۔ مثلاً ایک شخص مریض ہے اسکو تردد ہے کہ مجھکو اس حالت میں تیمم کی اجازت ہے یا نہیں۔ اس بارہ میں اطباء یا تجربہ کاروں سے مشورہ کر سکتا ہے۔ یا حج کے لئے امن طریق شرط ہے۔ اور قافلے کئی راہ سے جا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض راہ پرخطر ہوں اور بعض نہوں۔ یا بعض میں کم خطرہ ہو۔ اور بعض میں زیادہ۔ ان راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے اندر مشورہ کرنا درست ہی یا ضروری ہے۔
یا مثلاً کسی پر دشمن حملہ کرتا ہوا چلا آتا ہے اُس کو جان بچانے کے لئے اپنی حفاظت ضروری ہے۔ ایسی حالت میں مقتضاء عقل یہ ہے کہ بہر ممکن صورت سے دشمن کی مدافعت کرے۔ یہ وقت نہیں کہ دشمن تو سر پہ پہونچ گیا اور یہ شخص احباب مخلصین اور تجربہ کار اہل

عقل سے مشورہ کی فکر میں ہے۔ یہ اسی فکر میں رہیگا اور دشمن اس کا کام تمام کر دیگا۔ ہاں اگر اس قدر مہلت ہے تو اس کو مدافعت عدو و محافظت نفس کے مختلف طریق میں سے کسی ایک طریق کو اختیار کرنے میں مشورہ کرنا مناسب یا ضروری ہو گا۔ یا مثلاً بھوک اور پیاس کے وقت روٹی کھانا یا پانی پینا ان امور میں سے ہے جو امور طبعیہ میں داخل ہے۔ عقل اور عادت کا صاف فتویٰ یہ ہے کہ بھوک کے عذاب سے بغیر روٹی کھائے نجات نہیں ہو سکتی اور شدت تشنگی کی آگ بلا پانی کے فرو نہیں ہو سکتی۔ ان امور طبعیہ میں مشورہ کی حاجت نہیں ہاں اس کے ذرائع یا طرق یا مختلف اغذیہ اور اشربہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں اگر کسی کے اندر خطرہ کا احتمال ہو تو مشورہ کرنا مستحسن یا ضروری ہو گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن امور کا حکم یا نتیجہ متعین ہے یا وہ امور طبعی میں ہیں۔ ان کے اندر مشورہ کی حاجت نہیں اگر مشورہ کے حکم کو ایسا عام رکھا جائے کہ کوئی چھوٹا بڑا کام خواہ امور طبعیہ عادیہ میں داخل ہو یا امور شرعیہ میں بلا مشورہ نہ کیا جائے تو علاوہ اس کے کہ بہت سے مواقع میں مشورہ معصیۃ کی حد میں داخل ہو جائیگا مشورہ جس غرض وغایت کے لئے مشروع کیا گیا یا ضروری یا مستحسن سمجھا گیا ہے وہ باقی نہ رہیگا۔ وہ بجائے رحمت کے زحمت اور بجائے مفید و منتج خیر و برکات ہونے کے مضر اور مثمر خطرات ہو جائے گا۔

مشورہ انہی امور میں ضروری یا مستحسن ہے جن میں کوئی جانب شرعاً عقلاً عرفاً عادتاً متعین نہیں اور جن کے مختلف جوانب میں خطرات و منافع کا احتمال ہے۔ جنکے نتائج مبہم اور مخفی ہیں۔

پھر معاملات کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ بعض ایسے امور ہیں کہ ان کے منافع و خطرات دونوں معمولی اور کم درجہ کے ہیں۔ اور بعض کے منافع بھی زیادہ اور خطرات بھی اہم۔ ان معاملات کی نوعیت اور منافع و خطرات کی عظمت و وقعت قوۃ و ضعف کے اعتبار سے مشورہ کے حکم استحسان میں فرق ہو جائیگا بعض مواقع میں مشورہ نہایت اہم اور ضروری ہو گا۔ اور بعض جگہ درجہ استحسان میں رہیگا۔

خداوند عالم نے مشورہ کو انسانی مصالح کا رکن عظم بتایا۔ ارباب عقول کو اس کی پابندی کا حکم دیا۔ مگر اس نے اپنی رحمت عامہ کی بنا پر انسان کو مقید نہیں کیا کہ کوئی معاملہ بلا مشورہ کرہی نہ سکے بسا اوقات اہم معاملات پیش آتے ہیں۔ اور ایک تجربہ کار انسان کو اس کے انصرام وحل کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کے خلاف ورزی کو وہ مہلک سمجھتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کسی صاحب عقل و دانش سے مشورہ کریگا تو اس کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں بتلا سکتا ایسی حالت میں اگر وہ بلا مشورہ کام کر بیٹھے تو ملام و مطعون نہ ہوگا۔

اہلیۂ مشورہ

مشورہ کا اہل وہی شخص ہوسکتا ہے جس میں اوصاف ذیل موجود ہوں۔

الف مشیر میں عقل کامل اور تجربہ تام ہو۔ کوئی شخص بغیر ان اوصاف کے کامل و مکمل نہیں ہوتا۔ عقل نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا شمار ذوی العقول میں کرنا بھی فضول اور لغو ہے۔ اور اگر عقل ہو لیکن ناقص تو جس قدر نقصان عقل میں ہے اس کی انسانیت میں اسی قدر نقصان ہے

ب ۔ صاحب عقل و تجربہ ہونے کے بعد دوسری شرط اہلیتہ کی یہ ہے کہ مشیر میں ہمدردی خلق اللہ و خیر خواہی کا مادہ عموماً اور مستشیر کے ساتھ خصوصاً موجود ہو۔ اس کے اخلاق مہذبہ و خصائل حمیدہ اس کی اجازت نہ دیتے ہوں کہ وہ کسی کے ساتھ بدخواہی کا معاملہ کرے خصوصاً اس شخص کے ساتھ جو اپنے معاملات کی باگ اس کے ہاتھ میں دیکر خود سبکدوش ہو رہا ہے۔ اگر مشیر میں باوجود عقل کامل و تجربہ نصح و ہمدردی کا مادہ عموماً موجود نہیں۔ یا کم از کم مستشیر کے ساتھ یا تو ہمدردی کا داعیہ اس کے قلب میں نہیں ہے۔ یا بجائے ہمدردی کے اس کے ساتھ بغض و عداوت۔ حسد و کینہ اور بدخواہی موجود ہے تو ایسا شخص عموماً قابل مشورہ نہیں ہے۔ اور خاص کر اس شخص کے لئے تو اس کا مشورہ سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔

غرض وصف اول کے ساتھ اس دوسرے وصف کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ عاقل تجربہ کار کا مشورہ بجائے مفید ہونے کے زیادہ مضر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس ہمدرد و ناصح و شفیق کے مشورہ سے پرحذر رہنا ضروری ہے جو کودن۔ کم عقل۔ جاہل و غفلت شعار ہو اس

سے زیادہ ایسے شخص کے مشورہ سے پرہیز رکھنا واجب ہی جو دانشمند و فہیم، مجرب و آزمودہ کار تو اعلیٰ درجہ کا ہے مگر اُس میں مادہ خیانت و بدخواہی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ ابن الحسن رضی اللہ عنہ۔ اپنے صاحبزادہ محمد بن عبداللہ کو نصیحت فرماتے ہیں۔[1]

احذر مشورة الجاهل وان كان ناصحاً كما تحذر عداوة العاقل اذا كان عدواً فانه يوشك ان يورطك بمشورته فيسبق اليك مكر العاقل وتوريط الجاهل۔	(جاہل اگرچہ خیر خواہ ہو مگر اُس کے مشورہ سے بچنا چاہیے جیسا کہ دانا دشمن کی عداوت سے کیونکہ کچھ بعید نہیں کہ اپنے مشورہ سے وہ تجھکو ہلاکی میں دھکیل دے اور عاقل کی مکر و تدبیر اور جاہل کی نادانی تجھکو آ دبائے)

اسی مضمون کو ابو الاسود دؤلی اس طرح ادا کرتے ہیں۔

وما كل ذي لب بموتيك نصحه وما كل موت نصحه بلبيب ولكن اذا ما استجمعا عند صاحب فحق له من طاعة بنصيب	ہر ذی عقل تیرا خیر خواہ نہیں ہوتا اور نہ ہر خیر خواہ دانشمند ہوتا ہے لیکن جب یہ دونوں وصف کسی میں جمع ہوجائیں تو وہ اس کا مستحق ہو کہ اُس کی اطاعت کی جائے

بعض حکما کا قول ہے۔[2]

لا تشاور الا الحازم غير الحسود واللبيب غير الحقود واياك ومشاورة النساء فان رايهن الى الافن وعزمهن الى الوهن۔	(تجھکو سوا صاحب حزم غیر حاسد اور دانشمند غیر کینہ ور کے کسی سے مشورہ نہ کرنا چاہیے۔ عورتوں کے مشورہ سے قطعاً پرہیز رکھنا چاہیے۔ کیوں کہ اُن کی رائے کا میلان فساد کی طرف اور عزم کا سستی کی جانب ہوتا ہے۔)

---

[1] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰-۱۲

[2] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰-۱۲

ج۔ مشیر میں علاوہ عقل کامل و تجربہ تام و نصح و ہمدردی مخلوق کے عموماً یا خصوصاً۔ اور موجودگی اخلاق مہذبہ اور تدین عقلی کے تدین مذہبی تقویٰ و صلاحیت کا ہونا بھی منجملہ شرائط اہمیہ کے ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ آدمی کو اخلاق حمیدہ و ملکات پسندیدہ اور عقل کامل۔ کذب و خیانت مکر و تزویر حیلہ سازی و دغابازی سے خود بھی مانع ہوتے ہیں۔ خواہ وہ شریعت منزلہ کے ارکان کا پابند ہو یا نہو۔ اور اسی درجہ کو ہم تدین عقلی یا عرفی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ درجہ مشیر کے لئے ایسا ضروری اور لازم ہے کہ بدون اس کے وہ قابل مشورہ ہو ہی نہیں سکتا یہاں تک کہ اگر وہ شریعت منزلہ کا تابع بھی ہے لیکن ان اوصاف کے ساتھ متصف نہیں ہے تب بھی وہ مشورہ کا اہل نہیں لیکن تدین عقلی و عرفی کے ساتھ اس میں تدین مذہبی بھی پایا جائے تو اُس کی اہلیت مکمل ہے۔ اور ایسے شخص سے مشورہ کرنا تمام غوایل و نقایض سے مامون و مطمئن کر دیتا ہے۔ کیونکہ دینداری و تقویٰ شعاری نے اُس کے قلب کو آلایش نفسانیت و کدورات باطن سے پاک و صاف کر دیا ہے۔ اور اُس کے اندر گنجایش باقی نہیں رہی کہ وہ خلاف ہمدردی و نصح کوئی بات کہہ سکے۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

من اراد امراً فشاور فیه امرأ مسلماً وفقه الله لارشد اموره	(جو کسی کام کا ارادہ کرے اور مرد مسلم سے مشورہ کرے تو خدا تعالیٰ اُس کو بہترین امور کی توفیق عطا فرماتا ہے۔)

یہ ظاہر ہے کہ تدین عقلی کے ساتھ تدین شرعی بھی مجتمع ہو جائے تو اُس کی اہلیت مشورہ کامل و مکمل ہو جائے گی کیونکہ بسا اوقات عقل کامل و تجربہ تام کے باوصف کبھی آدمی کو اتباع عقل ہی کسی ایسے امر کا استحسان ذہن نشین کر دیتا ہے جو مستشیر کے حق میں مضر ہوتا ہے لیکن اتباع شریعت اخلاق حمیدہ کے علاوہ اُس کو دوسرے حیثیت سے بھی پابند کئے ہوئے ہے جو کسی طرح سوا نصیحت و خیر خواہی کسی دوسرے امر کی اجازت نہیں دیتا۔ اور اسی وجہ سے مشورہ کے لئے مسلمان کو منتخب کرنا ازبس ضروری ہے۔ یاں یہ ضرور ہے کہ جامع اوصاف

مذکورہ متبع شریعت نہ ملسکے تو ایسی حالت میں غیر مسلم سے بھی مشورہ لینے میں کچھ حرج نہیں۔ یہ ایسی شرط نہیں کہ بغیر اس کی اہلیتہ مشورہ پائی ہی نہ جائے۔

تاریخ وسیر کی ورق گردانی سے ثابت ہے کہ بہت سے مواقع میں اُن کفار اور ذمیوں سے مشورہ کیا گیا جنکی نصح وعقل پر دوسرے ذرائع سے اطمینان ہو چکا ہے۔ اور یہ امر مستشیر کے تجربہ کے حوالہ کیا جا سکتا ہے۔

مشورہ نکاح | نوح ابن ابی مریم قاضی مرو نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہا تو ایک مجوسی یعنی آتش پرست سے جو اُن کی پڑوس میں رہتا تھا اس بارہ میں مشورہ کیا۔ مجوسی نے تعجب سے کہا کہ تمام لوگ تو آپ سے مشورہ کرتے اور امور دینیہ میں فتویٰ لیتے ہیں۔ اور آپ مجھ سے مشورہ کرتے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا نہیں تم کو مشورہ دینا چاہئے اُس نے کہا بادشاہ فارس کسریٰ تو مال کو ترجیح دیتا تھا یعنی مالدار کو غیر مالدار پر مرجح سمجھتا تھا۔ اُس کے نزدیک مال ایسی چیز تھی جس کی وجہ سے عزت و وقعت بڑھتی تھی۔ اور لڑکیوں کی راحت و آسایش اسی میں سمجھی جاتی تھی۔ اور قیصر روم جمال کو پسند کرتا تھا۔ یعنی شادی کے لئے صاحب جمال کو پسند کرتا تھا۔ کیونکہ مقصود نکاح سے زوجین میں مودت والفت ہی۔ اور یہ بات جمال کی حالت میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس لئے دختر ہو یا فرزند اس کے لئے صاحب جمال کو ترجیح دیتا تھا۔ مال وغیرہ ان امور میں نہیں جنکو اصل مقصود نکاح میں زیادہ دخل ہو۔ بسا اوقات مالدار غیر صاحب جمال کے ساتھ نکاح موجب تفریق و تکالیف نزاع و مخاصمت ہو جاتا ہے۔ اور رئیس عرب شرافت خاندانی اور حسب کو ترجیح دیتا تھا یعنی اُن کے نزدیک زوجین کا شرافت حسبی ونسبی میں ہم رتبہ ہونا زیادہ مرجح تھا۔ اور تمھارے (اہل اسلام) سردار (یعنی جناب رسول اللہ علیہ وسلم) دین کو سب امور پر مقدم سمجھتے تھے۔ یعنی اگر کوئی دیندار و متشرع تو ہے۔ مگر صاحب مال و جمال و شرافت نہیں تو ایسے شخص کو اس پر ترجیح دیتے تھے جس میں یہ امور تو موجود ہیں مگر دیندار نہیں۔ اب تم دیکھ لو کہ کس کی اقتدار کو پسند کرتے ہو۔ آیا فارس و روم و عرب کے رؤساء کے اتباع کے یا اپنی سردار و پیغمبر کے۔

حاصل اُس کے مشورہ کا یہی تھا کہ تم کو اپنی صاحبزادی کے عقد کے لئے صاحب دین کو انتخاب کرنا چاہیئے۔ اگر اُس کے ساتھ وہ صاحب مال وجمال و شرافت بھی ہو نور علیٰ نور ہے۔ اور یہ مشورہ ظاہر ہے کہ بالکل صحیح و سچا۔ اور محض خیر خواہی پر مبنی تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قاضی صاحب کو اپنے پڑوسی کے تدین عقلی یا عرفی اور اُس کی عقل و تجربہ پر اعتماد نہوتا۔ اُس کی خیر خواہی و ہمدردی میں تردد یا شک ہوتا تو ہرگز اس سے مشورہ نہ کرتے۔ لیکن یہ امر کچھ مجوسی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اگر مسلمان کی عقل و نصح پر بھی اعتماد نہوتا تو اس سے بھی مشورہ نہ کرتے غرض یہ ہے کہ اگر غیر مسلم میں یہ اوصاف پائے جائیں تو وہ بھی اہل مشورہ ہے۔ ہاں حتی الوسع مسلم سے مشورہ کرنا چاہیئے۔

فائدہ۔ نکاح کے لئے چار امور مال وجمال حسب و دین کا موجب رغبت ہونا اور پھر بعثت محمدیہ میں دین کو سب امور پر ترجیح دینا اس حدیث کے مضمون سے ماخوذ ہے جس کو بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ قال تنکح المرءة لاربع لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك۔	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت کی طرف نکاح کی رغبت یا تو مال کی وجہ سے ہوتی ہے یا جمال اور حسب اور دین کی وجہ سے تجھکو چاہیئے کہ دیندار عورت سے نکاح کرے۔)

ان چار اوصاف موجب رغبت کے علاوہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانچواں وصف اور بھی بیان فرمایا یعنی اخلاق حمیدہ۔ چنانچہ امام احمد نے ابوسعید خدری سے اور اسی طرح بزار۔ ابویعلی اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنکح المرءة علی احدی خصال لجمالها ومالها وخلقها ودينها فعليك	عورت کے ساتھ خصائل مذکورہ میں سے کسی ایک خصلت کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ جمال و مال خلق اور دین کی وجہ سے تم کو چاہیئے کہ صاحب دین اور خلق

بذات الدین والخلق تربت یمینک | کو پسند کرو۔

اس حدیث میں حسب کا ذکر نہیں ہے جو اور احادیث میں مذکور ہے۔ اس کو ملا کر اسباب رغبت نکاح کل پانچ ہوتے ہیں۔ مال۔ جمال۔ حسب۔ اخلاق و دین آپ کے ارشاد سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ان سب میں دین کو ترجیح ہے۔ اگر کسی مرد یا عورت میں مال و جمال حسب اخلاق سب یا بعض موجود ہوں مگر دین نہو تو ایسے اسباب کی طرف رغبت کرنے کو آپ نے ناپسند فرمایا ہے اور اگر کسی میں یہ اوصاف کل کے کل یا بعض نہوں مگر دین ہے تو آپ اس کو تمام اوصاف کے جامع سے مرجح فرماتے ہیں۔

لیکن یہ امر بھی قابل تفصیل ہے کہ جیسا دین کا لحاظ سب پر مقدم ہے ایسے ہی علاوہ دین کے باقی سب اوصاف رغبت و ترجیح میں یکساں ہیں۔ یا ان میں بھی بعض کو بعض پر فوقیت و ترجیح حاصل ہے مگر اس کا یہ موقع نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی وقت اس کی تفصیل بھی کیجائیگی۔

(د) جس شخص سے مشورہ لیا جائے اُس کا قلب ایسے ہجوم و افکار سے خالی ہو جنکی وجہ سے دماغ پریشان اور قلب مشغول ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص باوجود عقل تام و تجربہ کامل نصح و ہمدردی تدین و تقوی شعاری کے صحیح اور معقول مشورہ دینے سے عاجز و قاصر رہتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اپنے خیال میں ایسا مبتلا ہے کہ معاملہ مشورہ طلب میں اپنی پوری عقل لڑا کر اس کی تمام جوانب کو سوچ سکتا ہے اور نہ مستشیر کی رہبری کر سکتا ہے۔ وہ خود۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ کا مصداق بن رہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص باوجود اوصاف و شرائط اہلیۃ مشورہ کے ایک امر عارض کی وجہ سے صحیح مشورہ دینے پر قادر نہیں ہے۔ صالح ابن عبد القدوس اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

ولا مشیر کذی نصح و مقدرۃ | فی مشکل الامر فاختر ذاک منتصحا

نہیں ہے مشیر مثل ایسے شخص کی کہ جو خیر خواہ ہو اور مشکلات میں دستگیری کرنے والا کسی ایسے کو ناصح بنا۔

کسری ملک فارس کا دستور تھا کہ اپنے وزراء اور مشیر کاروں کو تمام تردوات و افکار سے

فارغ البال رکھتا تھا۔ اگر کسی معاملہ میں اُن کی رائے وزن دار نہیں پاتا تھا تو سمجھ لیتا تھا کہ کسی فکر میں مبتلا ہیں۔ اور اسی وقت اہلکاروں کو بلا کر سزائیں دیتا تھا کہ تم نے اُن کو ماہوار اور معین روزینوں میں کمی کی ہے جس کی وجہ سے ان کے طبائع متفکر اور بحال خود مشغول ہیں۔ دماغ اُن کا پریشان اور عقل اُن کی سالم نہیں ہے۔ حاصل اس شرط کا بھی یہی ہے کہ مشیر کی عقل کامل اور سالم ہو۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ شرط اول میں تو اصل فطرت سے عقل کا وجود و کمال بیان کیا ہے۔ اور اس میں بقا اور سلامتی اسی وجہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مشیر کا افکار و ترددات میں مبتلا ہونا اس کو اہلیتہ مشورہ سے خارج نہیں کر دیتا ہاں چونکہ ایسی حالت میں بوجہ نقصان عقل و فکر مضرت کا اندیشہ ہے اس لئے وہ عارضی طور پر اس قابل نہیں رہا کہ اس سے مشورہ کیا جائے۔ اگر کسی شخص کی رائے و عقل پر اس درجہ اعتماد ہو کہ وہ ابتلا رافکار و ہجوم حوادث کے باوصف مختل الحواس نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ایسی حالت میں بھی جو بات اُس کی زبان سے نکلتی ہے وہ جچی تلی ہوتی ہے تو اس سے مشورہ کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ تاہم اُس میں اور اس شخص میں جو باوجود تمام اوصاف مذکورہ کی موجودگی کے افکار و ترددات سے بھی خالی ہے۔ فرق ضرور ہوگا کیونکہ اطمینان و غیر اطمینان کی حالت مساوی نہیں ہو سکتی ایک فارغ القلب و سلیم الحواس جہاں تک اپنی فکر کو دوڑا سکتا ہے اور غور و فکر سے بات کی تہ کو پہونچ سکتا ہے متردد و متفکر شخص نہیں پہونچ سکتا ہے۔ اور اسی بنا پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص باوجود سلیم الحواس مطمئن القلب افکار و ترددات سے خالی ہونے کے کسی دوسری امر کی طرف متوجہ ہے اس کی اہلیتہ میں بھی اسی قدر نقصان ہے مثلاً سفر کی عجلت میں ہے یا حوائج بشری کے انصرام کی طرف متوجہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۵) جس امر میں مشورہ لیا جاتا ہے مشیر کی اغراض و خواہشات کا اُس سے تعلق نہ ہو یعنی اس کی کوئی ذاتی غرض اُس کی متعلق نہو۔ اگر اُس کی ذاتی غرض کا اس امر سے تعلق ہے تو باوجو تمام اوصاف مذکورہ موجود ہونے کے اُس کا مشورہ قابل اعتماد نہیں سمجھا جائیگا۔ کیونکہ غرض

ذاتی اور خواہش نفسانی طبعاً آدمی کو اس طرح اپنی طرف کھینچ لیتی ہے کہ اُس کو خود بھی بہت کم احساس ہوتا ہے اور بے اختیارانہ اُس سے وہ بات سرزد ہو جاتی ہے جو مستشیر کے حق میں مضر ہوتی ہے آدمی کی رائے ایسی حالت میں ہرگز صحیح قابل اعتماد و لائق وثوق نہیں رہتی۔ صاحب عقول و آرا صحیحہ و فطرۃ سلیمہ بھی اس موقع پر اپنے درجہ سے گر جاتے ہیں۔ فضل ابن عتبۃ ابن ابی لہب فرماتے ہیں۔

وقد یحکم الایام من کان جاھلا
زمانہ کبھی ایسے شخص کے درجہ کو محکم کر دیتا ہے جو جاہل ہو

ویردی الھوی ذالرای وھو لبیب
اور خواہش نفس صاحب رائے و دانشمند کو گرا دیتی ہے

ویحمد فی الامر الفتی وھو مخطی
اور کبھی آدمی باوجود خطا پر ہونے کے شکر گذاری کا مستحق ہوتا ہی

ویعذل فی الاحسان وھو مصیب
اور کبھی باوجود احسان کرنے اور صواب پر ہونیکے قابل ملامت ہوتا ہے

مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات ایک جاہل غیر ذی رائے خیر خواہی۔ ہمدردی کے ساتھ مشورہ دینے کی وجہ سے خواہ اُس کا مشورہ انجام کار مفید ہو یا مضر محمود اور قابل ستایش ہو جاتا اور اس کی وقعت نظروں میں بڑھ جاتی ہے۔ اور خود غرضی و ہوا نفسانی عاقل و دانشمند کو اس کے درجہ سے گرا دیتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ باوجود غرض مشترک ہونے کے ہر شخص ایسا نہیں ہوتا جسکو مشورہ دینے میں متہم سمجھا جائے بہت سے ایسے افراد ہوتے ہیں کہ مشورہ کے وقت مستشیر کی اغراض و منافع کو پیش نظر رکھکر مشورہ دیتے۔ اور اپنی خواہش قلبی کو پس پشت ڈالدیتے ہیں۔ مگر قواعد کی تدوین و تمہید میں اکثریات پر نظر ہوتی ہے مستثنیات کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اور اسی وجہ سے قاعدہ کلیہ یہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ اگر کوئی فرد اس سے مستثنے ہو اور مستشیر کو باوجود غرض مشترک ہونے کے اُس کے تدین و تقوی پر اعتماد ہو تو یہ صورت جُداگانہ ہو گی شریعت غرا نے بھی اس قسم کے معاملات اغراض مشترکہ کا خیال کرکے قواعد کلیہ بنا کر ہم کو دئے ہیں۔ دیکھئے ماں باپ کی شہادت اولاد کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ علی ہذا اولاد کی شہادت ابوین کے لئے اور زوجین کی شہادت ایک

دوسرے کے لئے آقا کی شہادت مملوک غلام کے لئے۔ اور غلام کی آقا کے لئے۔ وجہ صرف یہی ہے کہ آپس میں منافع واغراض مشترک ہیں۔ باپ کا نفع بیٹے کا ہوتا ہے۔ وعلیٰ ہذا۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دیندار اور تقویٰ شعار مسلمان سے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنی ذاتی منافع کے لئے ہی جو بلا واسطہ اس کو پہونچتی ہیں۔ شہادت میں کسی قسم کا تبدل کر سکے چہ جائیکہ اُن منافع کے لئے جن کے بواسطہ پہونچنے کا احتمال ہے لیکن شریعت نے خاص افراد کا لحاظ نہیں کیا۔ بلکہ حکم عام دیدیا۔

لا تقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا المرأة لزوجها ولا الزوج لامرأته ولا العبد لسيده ولا المولى لعبده ولا الاجير لمن استاجره۔

بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں۔ اور باپ کی بیٹے کے حق میں عورت کی خاوند کے حق میں اور خاوند کی بی بی کے حق میں۔ غلام کی آقا کے حق میں اور آقا کی غلام کے حق میں اور اجیر کی مستاجر کے حق میں معتبر نہیں ہے۔

کتب تاریخ میں یہ واقعہ مسطور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زرہ جبکہ آپ خلیفۃ المومنین تھے ایک یہودی کے پاس برآمد ہوئی۔ آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں اس مقدمہ کو دائر کیا۔ اور شہادت میں بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنی مولیٰ یعنی غلام آزاد کردہ قنبر کو پیش کیا۔ قاضی صاحب نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت اس قاعدہ کلیہ کی بنا پر کہ وہ صاحبزادے ہیں رد کر دی۔ قنبر کی شہادت کو قبول کر کے فرمایا کہ ایک گواہ اور لائیے۔ کیونکہ تنہا ایک گواہ کی شہادت پر اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے درجہ کا ہو فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا کوئی گواہ موجود نہ تھا۔ اس وجہ سے دعویٰ خارج ہوا۔ زرہ یہودی کو دلادی گئی۔

اس روشن اور صاف قاعدہ کلیہ اور اس فیصلہ حقانی کا یہ اثر ہوا کہ یہودی یہ کہہ کر کہ خلیفہ وقت اپنے قاضی کے یہاں معاملہ دائر کرے۔ اور وہ خارج ہو جائے مسلمان ہو گیا

ظاہر اور بپر ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب کسی قسم کا احتمال بھی سوءظنی کا نہیں ہو سکتا اور نہ قاضی صاحب کو معاذ اللہ تھا۔ مگر قاعدہ کلیہ شریعت غرا کا یہی تھا جس کے آگے سب کو سر تسلیم خم کرنا لازم و واجب تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر ایسی خصوصیات سے استثنا کا دروازہ کھول دیا جاتا تو پھر ہر شخص کو کسی نہ کسی خصوصیت فرضی یا واقعی سے استثنار کا موقع اور بہانہ ملجاتا۔ اور یہ قاعدہ کلیہ شریعت کا کاغذوں پر ہی لکھا نظر آتا۔ عملدرآمد سوا رشاذ صورتوں کے کہیں بھی نہوتا۔

(۹) مشیر اگر متعدد ہوں تو اُن کا آپس میں حسد و تنافس سے خالی ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ایک کو دوسرے کی بات تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہو۔ اگر ایسا نہو گا تو مشاورۃ کا نتیجہ سوار مشاجرۃ۔ منازعت اور منافرۃ کے کچھ نہو گا۔

یہ چھ اوصاف و شرائط ہیں جن کے مجتمع ہونے سے آدمی مشورہ کا اہل بنتا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض اوصاف اس درجہ ضروری ہیں۔ جنکے بغیر قابلیت ثابت ہی نہیں ہوتی۔ اُن کو ذات مشورہ میں دخل ہے۔ اور بعض ضرورتیں اس درجہ کی نہیں ہیں۔ اُن سے کسی وقت قطع نظر بھی کر لی جاتی ہے جیسا کہ ہماری تشریحات سے واضح ہو چکا ہے۔

اہل عقل و حکمت نے اپنے زرین اقوال میں اوصاف و شرائط کو جامع و مانع الفاظ میں بیان فرما دیا ہے مستطرف میں ہو۔

قالت الحکماء لا تشاور معلما ولا راعی غنم ولا کثیر القعود مع النساء ولا صاحب حاجۃ یرید قضاءھا ولا خائفا ولا حاقنا وقیل سبعۃ لا ینبغی لصاحب لب ان یشاورھم جاھل و عدو وحسود ومراء وجبان وبخیل وذو ھوی فان	حکمار نے فرمایا ہی کہ بچوں کو تعلیم دینے والے۔ بکریوں کے چرانیوالے۔ عورتوں کے پاس زیادہ بیٹھنے والے۔ اور کسی صاحب حاجت سے جو اُس کے پورا کرنے کی فکر میں لگا ہوا۔ اور خوف زدہ شخص اور اس شخص سے جو بول و براز کو دبائے ہوئے ہو تقضار حاجت کی فکر میں لگا ہوا ہو مشورہ نہ کرنا چاہئے۔ اور یہ بھی حکمار کا مقولہ ہو کہ سات شخص ایسے ہیں جن سے مشورہ کرنا کسی صاحب عقل کو مناسب نہیں

الجاهل یضل والعدو یرید الهلاک والحسود یتمنی زوال النعمة والمرائی واقف مع رضاء الناس والجبان من رایه الهرب والبخیل حریص علی جمع المال فلا رای له فی غیره وذالهوی اسیر هواه فلا یقدر علی مخالفته۔

ہے۔ جاہل۔ دشمن۔ حاسد۔ ریا کار۔ نامرد۔ بخیل۔ خود غرض۔ اس لئے کہ جاہل تو خود گم کردہ راہ ہے۔ دوسرے کو بھی گمراہی میں ڈالتا ہے دشمن ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ حاسد زوال نعمت کا متمنی ہے ریا کار لوگوں کی رضا جوئی کی فکر میں رہتا ہے۔ نامرد کی رائے ہمیشہ فرار اور گریز کی جانب ہوتی ہے۔ اور بخیل مال کے جمع کرنے پر تلا رہتا ہے سوا جمع مال اس کو دوسری چیز کی طرف توجہ نہیں۔ خود غرض اپنے اغراض کا پابند ہو اس کے خلاف نہیں کرسکتا۔

حاصل یہی ہے کہ ایسا شخص جس میں فی حد ذاتہ عقل و تجربہ نہیں۔ یا ہیں مگر کسی امر عارضی کی وجہ سے صحیح مشورہ نہیں دے سکتا مشیر بننے کے قابل نہیں۔

مستشیر یعنی طالب مشورہ کے فرائض و آداب

یہ امر تو اول بیان کیا جاچکا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی اہم معاملہ پیش آئے جس کے اندر رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ یا معاملہ کی دونوں جانبیں فوائد و خطرات سے خالی نہیں ہیں۔ تو ایسی حالت میں استبداد و استقلال رائے سے کام کرنا مہلک اور موجب ننگ و عار ملامت و طعن ہو اور یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ محتاج مشورہ اگرچہ کتنا ہی دانشمند صاحب وجاہت و آزمودہ کار ہو اس کو کسی دوسرے سے مشورہ کرنے میں اگرچہ وہ شخص ظاہر میں کم رتبہ اور معمولی حالت میں ہے یہ امر مانع نہو کہ اگر میں باوجود دانشمندی تجربہ کاری اور وجاہت اور علو شان کے دوسرے کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کرکے طالب رائے ہونگا تو لوگوں کی نظروں میں میری بے وقعتی یا نادانی ظاہر ہوگی۔ اور یہ سمجھا جائیگا کہ اگر میں خود صاحب رائے ہوتا تو دوسروں کا محتاج نہوتا۔ کیونکہ ان خیالات اور اعذار سے مشورہ کو ترک کرکے اپنے معاملات کو خراب کردیا اور مورد طعن و ملامت بنکر نظروں میں حقیر بنا سخت حماقت میں داخل ہے اب ہم مستشیر کے لئے فی نفسہ فرائض و آداب کو بیان کرنا

چاہتے ہیں یعنی جب کوئی اپنی اہم و مشکل معاملات میں دوسروں سے مشورہ کا طالب ہو تو اس کے ذمہ کیا کیا امور ضروری ہیں۔ کن کن باتوں کی رعایت اُس کے ذمہ لازم یا مناسب ہے۔

(۱) مستشیر کا پہلا فرض یہ ہے کہ مشورہ کے لئے ایسے افراد کو منتخب کرے جو مشورہ دینے کے لائق و اہل ہیں۔ جن میں وہ اوصاف و شرائط موجود ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یعنی جو صحیح مشورہ دینے کے قابل ہیں جن کے مشورہ پر کاربند ہونے سے فائز المرام ہو سکتا اور ترک مشورہ کی صورت میں جو نقصانات یا الزام پہونچ سکتے ہیں اُن سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگر مستشیر لایق و قابل مشورہ افراد کے انتخاب میں کوتاہی کرے گا۔ یا ایسے اشخاص کو منتخب کریگا جن میں بجائے اُن اوصاف کے جو مشیر کے لئے ضروری ہیں دوسری قسم کے خصائل موجود ہیں اور جو ظاہراً مشیر بننے کی قابلیت نہیں رکھتے تو اس کا الزام خود مستشیر کے ذمہ ہے۔ اور جو نقصان اُس کو پہونچیگا وہ خود اُس کی کوتاہی کا نتیجہ ہوگا۔ اور گو وہ اس صورت میں اس قدر ملام و مطعون تو نہ ہوگا۔ جیسا کہ خود رائی اور استقلال سے کام کرنے کی صورت میں ہوتا مگر اُس حالت کے قریب ہی قریب رہیگا۔ اس لئے سب سے اول اس کا کام یہی ہے کہ مشورہ کے لئے اہل اور لائق افراد منتخب کرے۔

(۲) مستشیر کی غرض مشورہ سے استفادہ رائے ہونا چاہیئے۔ نہ کہ امتحان مشیر۔ کیوں کہ امتحان کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں مشیر کی عقل و دیانتہ تجربہ و صداقت پر اعتماد نہو اور جبکہ مشیر کی اہلیتہ کو پہلے جانچ لیا گیا ہے۔ تو اب امتحان کے کیا معنی۔ اگر کسی کا امتحان مقصود ہے تو اُس کے صاف معنی یہ ہیں کہ رائے تو ایک جانب معین ہو چکی ہے اب پرکھنا یہ ہے کہ مشیر آیا صحیح رائے دیتا ہے یا غلط۔ لیکن اس کو مشورہ نہیں کہتے۔ اس کا نام امتحان اور جانچ ہے۔ اور یہ وہیں ہوتا ہے جہاں کسی کی عقل و تجربہ پر اعتماد نہو۔ یا جس کی صداقت و محبت عداوت و نفرت کا حال معلوم نہو۔

(۳) مشیر مشورہ میں اگرچہ مستشیر کی منشاء اور خواہش کے خلاف رائے دے ٹھنڈے دل سے سننا چاہیئے یعنی کسی خیال یا واہمہ پر اُس کی طرف سے بدظن نہو۔ اگر ایسا کیا جائیگا تو مشورہ

کا نفع ہرگز اس کو نہیں پہونچ سکتا۔ بلکہ یہ شخص حیرانی اور پریشانی میں زیادہ مبتلا ہو جائیگا۔ بسا اوقات ایک خالص اور سلیم العقل کی درست بات پر کسی نہ کسی وجہ سے بدظنی کا موقع ملجاتا ہے لیکن مستشیر کو اس وقت عقل اور ثبات قلب سے کام لینا چاہیئے۔ اگر بدظنی سے کام لیا جائے گا تو کسی کام یا معاملہ میں بھی تنقیح رائے نہو گی۔ اور کوئی ایسا شخص دستیاب ہونا دشوار ہو جائے گا۔ جس پر اعتماد کیا جاسکے۔

معاشرۃ و مشاورۃ کا رکن اعظم یہ ہے کہ مستشیر پر اعتماد ہو۔ اور اس کو ہم شرائط اہلیہ میں بیان کر چکے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اصف ضمیر لمن تعاشرہ	واسکن الی ناصح تشاورہ
اپنے دلکو ہمنشیں کی طرف سے صاف رکھنا چاہیئے	اور ہمدرد خیر خواہ مشیر کی بات پر اطمینان کرنا چاہیئے
وارض من المرء فی مودتہ	بما یودی الیک ظاہرہ

دوست کی اس قدر دوستی پر جو ظاہر حال سے معلوم ہوتی ہے راضی رہنا چاہیئے

من یکشف الناس لایجد احداً	تنصح منہم لہ سرائرہ
جو لوگوں کے باطن حالات کی تفتیش کرے گا	تو کوئی ایسا نہ ملے گا جس کے باطن میں خیرخواہی مرکوز ہو
اوشک ان لایدوم وصل اخ	فی کل زلاتہ تنافرہ

اگر بھائی و دوست کی ہر لغزش پر گرفت کیجائے تو کسی ایک بھائی کا تعلق بھی باقی نہیں رہ سکتا

(۴) جس معاملہ میں مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔ اس کو کھول کر اور واضح کرکے بیان کرے تاکہ مشیر کو اس کے تمام جوانب پر نظر کرکے رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔ اگر معاملہ کو مبہم و مجمل بیان کیا گیا۔ یا بعض واقعات کو یا اپنے خیال و غرض اور مقصود کو مخفی رکھا گیا تو مشیر ہرگز صحیح رائے نہیں دیسکتا۔ اور اس وجہ سے جو نقصان پہونچے گا اس کا ذمہ دار خود مستشیر ہو گا مشیر ہرگز قابل ملامت و طعن نہو گا۔

(۵) مستشیر کو چاہیئے کہ مشیروں کی رائے اور ان کی وجہ استدلال کو خود بھی غور سے سنے

اور سمجھتے تاکہ مشورہ جس طرح بوجہ مشورہ کرنے کے استبداد رائے کی آفات سے محفوظ رہا ہے ایسے ہی بے سمجھے بوجھے دوسروں کی رائے کا اتباع کرنے کی تقلید اعمیٰ اور تفویض سے بچ جائے جب وہ تمام پہلوؤں اور ان کے وجوہ پر غور کریگا تو خود بھی صحیح نتیجہ پر پہونچے گا۔ اور اس کو اپنے مشیروں کی عقول و تجربہ کاری۔ نصح و ہمدردی و دفع الوقتی کا بھی پورا اندازہ ہوجائیگا۔ اور اس کو یہ واضح ہوجائے گا کہ میری عقل اُن معاملات میں کہاں تک چل سکتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آئندہ جب اس قسم کی مشکل اور مہم معاملات پیش آئیں گے تو یہ اس وقت اس تجربہ سے بہت کچھ کام لینے کی لائق ہوگا۔ اور اگر اپنے معاملات کو دوسروں کے ہاتھ میں سپرد کرکے بے سوچے سمجھے تقلید کریگا تو ان سب فوائد سے محروم رہے گا۔

(۶) مشاورہ میں بحث و مباحثہ کے بعد کوئی رائے قایم ہوجائے اور بعد عمل ثابت ہو کہ یہ رائے غلط اور بجائے مفید ہونے کے مضر تھی تو مستشیر کو لازم ہے کہ ہرگز مشیروں پر طعن و تشنیع نہ کرے کیونکہ مشیر کا کام صرف یہ ہے کہ اپنی عقل و رائے سے ایک طریقہ کو واضح کردے۔ اُس طریقہ کا موصل الی المطلوب ہونا مشیر کے حد ادراک و اختیار سے بالکل خارج ہے۔ اول تو آدمی کتنا ہی صاحب فراست و دانشمند کیوں نہو مگر اس کی عقل محدود ہے۔ تمام اسباب و احتمالات کا احاطہ دشوار اور سخت دشوار ہے۔ اور پھر باوجود تمام اسباب و ذرایع موصلہ قریبہ و بعیدہ کے مجتمع ہونے کی ترتب نتیجہ خداوند عالم کے اختیار میں ہے۔ اس وجہ سے مشیر ہرگز مستحق ملامت و طعن نہیں ہے۔ اگر ایسی صورتوں میں مشیر مورد لعن و طعن بنائے جائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ کبھی کسی کو مشورہ دینے کی جرأت نہ کریں گے۔ اور ہمیشہ یہ کہکر الگ ہوجایا کریں گے کہ جو مناسب سمجھو اُس پر عمل کرو۔ اور مخلوق مشورہ کی دولت عظمیٰ سے محروم ہوجائیگی جس کا فساد و نقصان ظاہر ہے۔

(۷) مشیر کی گمنامی اور کم وقعتی کو اس کے مشورہ کو رد کرنے کا سبب نہ سمجھنا چاہیے مستشیر کا فرض ہے کہ دانشمندی اور خیرخواہی کی بات اگرچہ کسی گم نام کم وقعت شخص کی زبان سے بھی

سنے تو اس کی قدر کرے۔ کیونکہ مشورہ کی غرض اپنا انتفاع ہے۔ اس میں مشیر کے بلند رتبہ یا کم درجہ مشہور و گمنام ہونے کو کچھ دخل نہیں ہے۔

آدمی کو اگر خود عقل و تمیز ہے تو بُرائی کی صحت و سقم کو خوب پہچان سکتا ہے۔ اگرچہ رائے دینے والا کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

النصح ارخص ما باع الرجال فلا	ترد علی ناصح نصحا ولا تلم
سب سے ارزاں چیز جس کو لوگ فروخت کرتے ہیں نصیحت و خیر خواہی ہے	تجکو چاہئے کہ کسی ناصح کی نصیحت کو رد نہ کرے اور نہ اس کو ملامت کرے
ان النصائح لا تخفی مناهجها	علی الرجال ذوی الباب الفهم
نصیحت و خیر خواہی کے طریقے دانشمند	اور زیرک سے مخفی نہیں رہتے

(۸) ان سب مراحل کے بعد جب باہمی مشاورت سے ایک امر منقح ہو جائے معاملہ کے تمام پہلو واضح ہو جائیں۔ ہر ایک صورت کے حسن و قبح پر کافی روشنی پڑ جائے۔ تو اب مستشیر کا فرض ہے کہ طے شدہ اور منقح رائے پر عمل کرنے میں لیت و لعل کو دخل دیکر اجراء و نفاذ میں دیر نہ کرے۔ مشورہ کا حاصل یہی ہوجاتا ہے کہ معاملہ کے جب تمام جوانب پیش نظر ہو جائیں۔ تصویر کے دو رخ بھی سامنے آجائیں جو فرادیٰ فرادیٰ نظروں سے مخفی و مستتر تھے اور جب معاملہ کے تمام پہلو واضح ہو گئے تو مشورہ کے نتیجہ تک اسی وقت پہونچ سکتا ہے جب اس پر عمل بھی کیا جائے ہر ایک تدبیر اور عمل کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ مشورہ کے اندر جن پہلوؤں اور جن اسباب و ذرائع اور جن حکم و مصالح کا لحاظ رکھا گیا ہے اُن کا وقت نکل جائے۔ عاقل کا کام یہ ہے کہ مشورہ سے جس قدر جلد ممکن ہے فائدہ اُٹھائے مستشیر اگر بعد وضوح رائے و استقرار مشورہ خواہ

لہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو رائے دینے کا شوق ہوتا ہے اور اگرچہ اُن کو محتاج مشورہ سے قبولیت و شکریہ کی توقع نہ ہو جب بھی سبقت کر بیٹھتے ہیں۔ مگر ہمکو ایسی حالت میں اُن کے مشورہ کو حقیر سمجھکر رد نہ کرنا چاہئے۔ اور نہ اس سبقت پر یا بلا سوچے سمجھے رائے دینے پر ملامت کرنا چاہئے ہاں یہ بھی ضرور نہیں کہ اُس رائے پر عمل کیا جاوے یہ خود سوچنے سمجھنے کی بات ہے کہ مبنی مشورہ کا نصح و ہمدردی ہے یا نہیں۔ اور باوجود نصح کے یہ رائے قابل عمل ہے یا نہیں۔ ۱۲ منہ۔

مخواہ تردد میں پڑ جائے۔ یا عمل میں تاخیر ہوئی تو وہ خود اپنے لئے ہلاکی و بربادی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ایک بادشاہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کی سلطنت کس طرح زائل ہوئی کہا۔

تاخیری عمل الیوم لغد | (آج کا کام کل پر کرنے سے)

ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا کنت ذا رای فکن ذا عزیمة	ولا تک بالتردد للرای مفسدا
جب تو صاحب رائے ہے تو تجھکو صاحب عزم بھی ہونا چاہیے	بلا وجہ تردد کرکے طے شدہ رائے کو فاسد نہ کرنا چاہیے
فانی رائت الریث فی العزم هجنة	وانفاذ ذی الرای العزیمة ارشدا
کیونکہ عزم میں ڈھیل دینا عیب و نقصان ہے	اور رائے کا نافذ و جاری کرنا رشد و بھلائی ہے

حاصل یہ ہے کہ مشورہ کے برکات سے جب ہی مستفید اور منتفع ہو سکتا ہے جب کہ عزم راسخ و ہمت قوی سے اُس کا اجراء و نفاذ بھی کرے۔ اگر بعد وضوح رائے شکوک شبہات اور احتمالات بعیدہ نکالنے کے تخیلات میں پڑ جائے یا عمل میں تاخیر و تعویق کرے تو ہرگز اُس کی برکات سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ شخص اُس حالت سے زیادہ نفرین کے قابل ہوگا۔ جیسا کہ بلا مشورہ کام کر بیٹھتا۔ کیوں کہ اُس حالت میں نفرین کی وجہ صرف یہی تھی کہ اُس نے اپنی رائے کو قابل اعتماد اور وثوق سمجھا۔ اور تبادلۂ آرار کے وقت رائے کے ثمرات سے محروم رہا اور یہ ایک درجہ عدم علم کا ہے جس میں آدمی کسی وقت معذور بھی سمجھا جاتا ہے۔

اور اس حالت میں چند وجوہ سے قابل سرزنش ہے۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ باوجود علم اور انکشاف کے تردد و شک میں پڑا۔ جو ایک قسم کا جحود و انکار ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اُس نے عزیمت و ہمت سے کام لیکر فی الفور مشورہ کے ثمرات سے نفع نہ اُٹھایا۔ ممکن ہے کہ جس مناسبت سے مشورہ طے ہوا ہے اُس کا وقت نکل جائے تیسرے یہ کہ آج کے کام کو کل پر رکھنے سے اپنی کاہلی سستی اور تغافل کا ثبوت دیا جو فی نفسہ مستقلاً

مہلک مرض ہے۔

مشیر کے فرائض وآداب

(۱) مشورہ کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جس کے اندر شرائط و اوصاف مذکورہ پائے جائیں۔ مشیر کا پہلا فرض یہ ہے۔ کہ وہ اپنے درجہ اور قابلیت کو سمجھے۔ اگر وہ اوصاف اس میں نہیں ہیں جن کا وجود مشیر کے لئے لازم ہے تو اس کو چاہئے کہ اس بار امانت کے تحمل سے فوراً انکار کر دے۔ کیونکہ دو ہی حالتیں ہیں یا تو یہ کہ وہ اپنے متصف باوصاف نہونے کو سمجھتا ہے۔ اور باوجود سمجھنے کے خواہ مخواہ پھر دوسرے کا بار اپنی گردن پر اٹھاتا ہے۔ یا نہیں سمجھتا پہلی صورت میں تو وہ دغاباز۔ حیلہ ساز۔ مکّار۔ اور فریبی سمجھا جائے گا مستشیر کا تو "جبکہ اس نے اپنے علم وخیال کے موافق اس کو اہل مشورہ سمجھکر معاملہ کو اس کے سپرد کیا ہے" کچھ قصور نہیں۔ اب جو کچھ الزام یا قصور ہے وہ صرف مشیر کی گردن پر ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کا جہل۔ جہل مرکب ہوگا۔ کہ اپنے جاہل ہونے کو بھی نہیں سمجھتا۔ غرض مشیر کے ذمہ واجب ہے کہ جب کوئی شخص اپنے معاملات کی باگ اس کے ہاتھ میں دیکر خود سبکدوش بنتا ہے تو وہ اپنی حالت کا اندازہ کرے کہ آیا مجھ میں وہ اوصاف موجود ہیں جو عموماً مشیر کے لئے شرط ہیں۔ یا باوجود اوصاف مذکورہ موجود ہونے کے خاص اس معاملہ میں جو پیش کیا گیا ہے رائے دینے کے قابل ہوں۔ اور پھر اگر اپنے آپ کو مشورہ دینے کے قابل سمجھے تو اس بار کو اٹھائے ورنہ انکار کر دے۔

(۲) جبکہ مستشیر نے اپنے مہام امور کی باگ مشیر کے ہاتھ میں دیدی اور اپنی نجاح و فلاح خیبت وخسران کا مدار اس کی رائے ومشورہ پر رکھا۔ تو مشیر کا فرض ہے کہ اپنی ممکن کوشش تنقیح رائے وتوضیح طریق میں صرف کرے۔ اور جو رائے اس کے نزدیک اصوب وانسب معلوم ہو۔ اس کو اخلاص نیت۔ صفائی طینت کے ساتھ مشیر کے سامنے ظاہر کرے اور ممکن سے ممکن طریقہ سے اس کی ہمدردی ودلسوزی کو اپنا فرض سمجھے۔

یہ نہایت صریح ظلم ہے کہ ایک شخص اُس پر اعتماد کرتا ہے اور وہ سرسری غور و فکر سے اسکو مشورہ دیکر ورطۂ ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ اور خود اس نعمت عظمی کے شکر سے کہ مخلوق اُس کو اس قابل سمجھتی ہے کہ مشکلات کے وقت اُن کی عقدہ کشائی کرے۔ محروم رہکر اپنے نفس کو مستوجب سلب نعمت بناتا ہے۔ اور یہ اُس سے بڑھکر ظلم دناءۃ نفس وکمینہ پن ہے کہ مشورہ میں اس کی خیر خواہی کو مدنظر نہ رکھکر ایسے امر کا مشورہ دے جو صریحاً اس کے نزدیک بھی مضر ہے جس سے مستشیر کی تمام امیدیں پامال انگین پژمردہ، اور تمام خیالات ملیامیٹ ہوتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ان من حق المسلم علی المسلم اذا استنصحه ان ینصحه۔	منجملہ اُن حقوق کے جو ایک مسلمان کے دوسرے پر ہیں ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ تجھ سے طالب نصح ہمدردی ہو تو اس کی خیر خواہی کرے۔

یہ مضمون تو خاص مسلم کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غیر مسلم کے ساتھ ہمدردی ضروری نہیں۔ یا اُس کو خلاف دیانۃ مشورہ دینا جائز ہے۔ دوسرے حدیث اپنے مفہوم میں عام ہے۔ کہ مشیر پر ہر مستشیر کی خیر خواہی واجب ہے۔ خواہ وہ مسلم ہو یا کافر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

المستشار مؤتمن	(جس سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ امین بنایا گیا ہے۔

اُس کا حاصل یہی ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ امین بنایا گیا۔ جس طرح امین کو امانت میں خیانت جائز نہیں ہے اُسی طرح مستشار کو مشورہ میں خیانت حرام ہے۔ اُس کے ذمہ واجب ہے کہ جو امر اُس کے خیال میں بہتر سے بہتر ہے اس کا مشورہ دے اور اگر اس معاملہ سے اس کی غرض بھی متعلق ہے۔ اور صاف و صریح مشورہ دینے میں اُس کو اپنی مضرت اور فوات مقصود کا اندیشہ ہے تب بھی اس کے ذمہ یہی واجب ہے کہ اپنے منافع کا خیال نہ کرکے صحیح مشورہ دینے میں کوتاہی نہ کرے اور ایسا کرنا اُس کی

کمال دینداری۔ تقویٰ اور انسانیت کی دلیل۔ اور اُس کی ایثار نفسی اور حوصلہ مندی کا ثبوت ہوگا۔ لیکن اگر اُس کی اخلاقی کمزوری اس کی اجازت نہیں دیتی اور وہ اپنے منافع کو ضائع کرنا کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ اول ہی وہلہ میں مشورہ دینے سے انکار کردے۔ تاکہ مستشیر اس پر مطمئن نہ رہے۔ اور کسی دوسرے سے مشورہ کرے اسی مضمون کو سلیمان ابن درید نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

واجب اخاك اذا استشارك ناصحًا	جب تیرا کوئی بھائی طالب ہمدردی ہو کر تجھ سے مشورہ
وعلى اخيك نصيحة لا ترددد	کرے تو تجکو مشورہ دینا ضروری ہے۔

لیکن اس کے ساتھ حدیث بالا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب مستشار امین ہے۔ اور اس وجہ سے مشورہ میں خیانت یا ہمدردی میں کوتاہی ناجائز ہے تو مقتضا اس امانت کا یہ ہے کہ اِس مشورہ کا افشاء اور اظہار بھی نہ کرے۔ تاوقتیکہ خود مستشیر کی جانب سے اُس کی اجازت نہو۔ یا اس کے علم ویقین کے موافق اس کا اظہار مضر نہو۔ ورنہ اُس کا افشاء و اظہار بھی خیانت وبدعہدی میں داخل ہوگا۔ اور یہ شخص مرتکب معصیت کبیرہ کا ہوگا۔

رہی یہ بات کہ جب مستشار امین ہے اور اس کے ذمہ ہر مستشیر کی خیر خواہی واجب ہے خواہ مسلم ہو یا کافر۔ تو پھر حدیث اول میں مسلم کی تخصیص کیوں اور کیسے ہے۔ اگر یہ عام انسانیت کا حق ہے تو پھر مسلم کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

جواب اُس کا یہ ہے کہ ایک حق عام ہوتا ہے۔ اور ایک خاص۔ اور یہ عموم اور خصوص تعلقات کے عموم وخصوص پر متفرع ہے۔ حدیث ثانی میں عام تعلقات کی بنا پر عام حق کو بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث اول میں علاوہ تعلق انسانیت کے خاص تعلق اسلام کا ملحوظ رکھکر اُس کو خصوصیت کے ساتھ بطور تاکید ارشاد فرمایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام تعلقات انسانی کی حالت میں درصورت عدم نصح جس قدر مواخذہ ہوگا اُس سے بدرجہا زائد خاص تعلق اسلامی کی حالت میں عدم نصح وہمدردی میں ہوگا اور پھر خصوصیت

تعلقات اسلام ہی کی حد پر منتہی نہیں ہوتے۔ اسلام کے بعد اور بھی خصوصیات ہیں جو ہمدردی کے وجوب و تاکد کو اُسی طرح بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً والدین کا تعلق اساتذہ کا تعلق۔ جار کا تعلق وغیرہ وغیرہ۔ غرض جتنی مقتضار ہمدردی و دلسوزی بڑھتی جائیں گی اتنا ہی درصورت عدم مواخذہ بڑھتا جائے گا۔ لیکن با اینہمہ عام تعلق کی حالت میں جو ہمدردی اُس پر واجب ہے اس میں کمی نہوگی۔ وہ بحال خود باقی رہیگی۔

(۳) جب کسی شخص کا عقل و تجربہ تسلیم کرلیا جاتا اور لوگ عموماً اس کی اصابت رائے کے قائل ہوکر اُس پر اطمینان کرنے لگتے اور ہر معاملہ کی باگ اس کے سپرد کرنے کو اپنا فریضہ سمجھنے لگتے ہیں تو حسب تقاضا فطرۃ انسانی اکثر و بیشتر ایسے افراد میں ایک قسم کا عجب و غرور پیدا ہوجاتا ہے وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہمارے مونہہ سے جو بات نکلتی ہے درست ہوتی ہے۔ اور جو مشورہ دیتے ہیں بالکل مطابق واقع ہوتا ہے۔ اس مرض کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو یہ شخص غور و فکر کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھنے لگتا ہے۔ اور بلا سوچے سمجھے مشورہ دینے کو کافی خیال کرلیتا ہے۔ دوسرے تمام دنیا کے آراء کو اپنے مقابلہ میں ہیچ اور ناقابل التفات سمجھتا اور اپنے خلاف رائے کو حقیر اور دوسروں کو نادان و ناتجربہ کار جانتا ہے۔ یہ حالت سچ پوچھئے تو اُس کو اوج عزت سے قعر مذلت میں گرا دینے والی ہے اور یہ اُس سے بھی زیادہ مضر ہے کہ آدمی خود رائے اور استقلال سے بلا مشورہ کام کر بیٹھے۔ کیونکہ یہ شخص اپنے معاملہ میں غور و فکر تو بخوبی کرلیتا ہے۔ اور مشیر اس حالت میں ہو نیکے اول تو خود رائے اور مستبد بنگیا۔ دوسرے اپنی سرسری رائے کو بھی قابل وثوق و اعتماد سمجھنے کی وجہ سے تمام پہلوؤں کا خیال نہ کیا۔

جب مشیر کی حالت یہ ہو تو مستشیر کا تو فرض ہے کہ ایسے شخص سے نہ مشورہ کرے اور نہ اُس کو قابل اعتماد سمجھے۔ اور اگر مستشیر اُس کے مرض پر مطلع نہ ہونے یا کسی اور وجہ سے اس پر اعتماد کر بیٹھا تو مشیر پر لازم ہے کہ اپنے اُس مرض کا ازالہ کرکے مشورہ دینے پر آمادہ ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرسکتا تو اُس کے ذمہ ضرور ہے کہ مشورہ دینے سے انکار کردے یا کم از کم اتنا

کہدے کہ کسی دوسرے سے بھی مشورہ کرلیا جائے۔ ورنہ اس مشورہ کے جو کچھ برے نتائج ظاہر ہوں گے اُنکا جوابدہ۔ و ذمہ دار مشیر ہوگا۔ اور مستشیر نے انتخاب میں کوتاہی کی ہے تو وہ بھی اِس ذمہ داری میں حصّہ دار رہیگا۔

(۴) مشیر کو یہ بھی مناسب ہے کہ مشورہ دینے میں سبقت نکرے۔ یعنی جب تک کہ اُس سے مشورہ طلب نکیا جائے خود اقدام کرکے مشورہ نہ دے۔ اس صورت میں چند نقصان ہیں۔ اُس کی رائے بے وقعت معلوم ہوگی۔ اس طرح بلادریافت مشورہ دینے میں متہم سمجھا جائیگا۔ خیال کیا جائیگا کہ اُس کی کوئی ذاتی غرض اس سے متعلق ہے۔ اس لئے تاوقتیکہ مستشیر کی جانب سے رغبت طلب اور اظہار اعتماد نہو زبان نہ ہلائے۔

طرفہ کہتا ہے ؎

ولا ترفدن النصح من لیس اہلہ	نااہل کے لئے اپنی ہمدردی خرچ مت کر۔
وکن حیث یستغنی برایک غانیا	جو شخص تیری رائے سے استغنا کرے تو بھی اس سے بے پرواہ ہوجا
وان امرأ یوما تولی برایہ	اور اگر کوئی شخص اپنی رائے کا خود متولی بنے تو اُس کو اُس کے
فدعہ یصیب الرشد او یک غاویا	حال پر چھوڑدے خواہ ہدایت پائے یا گمراہ رہے۔

حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قال لقمان لابنہ یا بنی اذا استشہدت	لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تم سے شہادت
فاشہد واذا استعنت فاعن	طلب کی جائے تو شہادت دو۔ اور جب کوئی امداد چاہے تو اعانت
واذا استشرت فلا تعجل	کرو۔ اور جب کوئی طالب مشورہ ہو تو بلا غور وفکر جلدی سے
حتی تنظر۔	مشورہ نہ دو۔

بیہس کلابی اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتا ہے ؎

من الناس من ان یستشیرک فتجتہد	بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب وہ طالب مشورہ ہوں

له الرای یستغشک فلا تتابعه	اور تو جد و جہد سے اُن کو رائے دے اگر تو نے اُن کی رائے موافق نہ دی تو جبتک تو اُن کی موافقت نہ کرے تجھکو متہم سمجھتے ہیں۔
فلا تمنعن بالرائی من لیس اهله فلا انت محمود ولا الرای نافعه	ایسی حالت میں نا اہلوں کے سامنے اظہار رائے نہ کرنا چاہئے کیوں کہ نہ تو قابل شکر گزاری ہوگا اور نہ رائے نافع ہوگی۔

البتہ اگر مشیر یہ سمجھے کہ کوئی شخص غلط راہ چلنے سے ہلاکی میں مبتلا ہوا چاہتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اگر میں نے سکوت کیا تو وہ تباہ و برباد ہو جائیگا تو اس وقت اُس کو خود بڑھکر اظہار رائے کرنا اور صحیح راستہ بتلانا نہایت ضروری ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ اُس کو بے وقعت سمجھے اور اُس کی رائے کو نظر انداز کر دے یا اُس پر عمل کرے۔

دگر بینی کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینی گناہ است

یہ ایسی ہی بات ہے کہ ولایت و حکومت کی خواہش کرنا ممنوع اور مذموم ہے لیکن اگر کسی حالت خاص میں اُس کو یہ یقین ہو جائے کہ موجودہ حالت کی اصلاح اسی طرح ہو سکتی ہے کہ حکومت کی باگ میرے ہاتھ میں ہو تو ایسے وقت اُس کو طلب حکومت جائز ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اِسی بنا پر فرعون سے فرمایا تھا۔ اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم۔

(۵) مشیر کو یہ بھی مناسب ہے کہ جب ایک جماعت مشورہ کے لئے جمع ہو تو یہ شخص اپنی رائے کے اظہار میں پیش قدمی نہ کرے۔ بلکہ اوّل اپنے سے زیادہ تجربہ کار اور عقلاء کو موقع دے۔ تاکہ دوسروں کی رائے سن کر اس کو بھی بہتر رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔ معاملہ کے پہلو گفتگو کے بعد واضح ہوتے ہیں۔ اور آدمی علم کے بعد گفتگو کرے اس سے بہتر ہے کہ ظن و تخمین معلومات پر اظہار رائے کر دے جس کا انجام سوائے ندامت و خجالت یا رائے کے کمزور و تعلیل عمل ہونے کے کچھ نہیں ہے۔

ابن ہبیرہ نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور کہا۔

لا تکونن اول مشیر۔ | تو سب سے پہلے مشیر نہ بن۔

لیکن یہ امر استحسانی ہے۔ اگر اس کو ایسا موقع ملجائے تو اس کے لئے بہتر ہی اور اگر سارے مشیر اسی انتظار میں سکوت کئے بیٹھے رہیں تو ظاہر ہے کہ غرض مشورہ فوت ہو جانے سے مستشیر کا نقصان عظیم اور مشیروں کے لیے سخت مذموم ہو۔ ایسی حالت میں سکوت نکرنا چاہیئے۔

(۶) مشیر کو چاہیئے کہ ایسے شخص کو مشورہ دینے سے بچے جس کی نسبت اس کو یقین ہو کہ کسی مشورہ کو نہیں مانتا۔ اس کی غرض محض امتحان ہوتی ہو ایسے شخص کو مشورہ دینا ہرگز مفید نہیں ہے اور اپنے لئے موجب ندامت و خجالت ہو۔ ابن ہبیرہ نے جو نصائح اپنی اولاد کو کیں اس میں یہ بھی ہے۔

ولا تشر علی مستبد فان التماس موافقته لوم والاستماع منه خیانة۔ | (کسی خود رائے اور مستقل الرائے کو مشورہ نہ دینا چاہیے کیوں کہ ایسے شخص سے موافقت کرنا دناءۃ میں اور اس کی بات سننا خیانت میں داخل ہے۔

مشاورت کے طریقے اور اس کے آداب

مشورہ کی کل دو ہی صورتیں ہیں کسی ایک شخص قابل اعتماد کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کر کے طالب رائے ہو۔ یا یہ کہ جماعتِ عقلا ارباب فہم و دانش کے سامنے کسی مبہم و مشکل معاملہ کو بغرض تنقیح رائے پیش کیا جائے۔ صورت اول میں تو صرف اتنی ہی بات کافی ہے کہ مشیر اپنی رائے و فہم کی موافق ہمدردی اور دلسوزی سے رائے ظاہر کر دے البتہ صورت ثانیہ میں جبکہ مشیروں کی ایک جماعت سے تبادلہ آراء و خیالات کیا جائے اور ایک امر بغرض مشورہ جماعت کے سامنے پیش کیا جائے چند امور قابل بحث و تفتیش ہیں۔

(۱) اظہار کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے۔

(۲) در صورت اختلاف آراء مشیروں کا فرض کیا ہے۔

(۳) آیا اس جماعت سے ایک مجلس میں جمع کر کے مشورہ کرنا بہتر ہے یا ہر ایک سے جدا گانہ

اوّل امر کی توضیح یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ ایک جماعت عقلاء و مدبرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو ان میں سے ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے کہ اپنی رائے آزادانہ بلا رُو و رعایت و بلا خوف لومۃ لائم ظاہر کرے۔ یہ خیال نکرے کہ میری رائے کسی کے منشاء کے خلاف ہونیکی صورت میں انگشت نما ہو سکتا ہوں۔ یا یہ کہ میری رائے کا ضعف ظاہر ہونے میں لوگ مجھے حقیر اور میری رائے کو ناقابل اعتماد سمجھیں گے۔ یا مجھ پر سے اعتماد اُٹھ جائیگا۔ اور میری نسبت جو عقل و تجربہ ہوشمندی و برتر کا خیال قلوب میں راسخ ہے زائل ہو جائیگا۔ کیونکہ ان خیالات کا پابند ہونا اظہار رائے میں سکوت کرنا۔ یا کسی ایک جماعت کی رعایت کرکے آزادی کے ساتھ اپنی کامل اور محقق رائے کو ظاہر نکرنا ایک درجہ کی خیانت میں داخل ہے جس سے احتراز رکھنا مشیر کے اولین فرائض میں سے ہے۔ دوسرے یہ کہ مشاورت اس غرض کے لئے ہوتی ہے کہ معاملہ کے سب پہلو اور تدبیر کے سب طریقے معین و مشخص ہو جائیں۔ اور یہ جبھی ممکن ہے کہ ہر شخص اپنے خیال کو بلا تکلف آزادی کے ساتھ ظاہر کردے۔ اس غرض کے لئے نہیں ہوتی کہ ہر شخص کی رائے کا اتباع کیا جائے۔

کبھی اظہار رائے سے یہ امر بھی مانع ہو جاتا ہے کہ مجلس شوریٰ میں چھوٹے بڑے طبقہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔ مثلاً استاد و شاگرد۔ پیر۔ مرید۔ باپ بیٹا۔ علیٰ ہذا عقل و تجربہ عمر وغیرہ کے اعتبار سے طبقات و مدارج کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص قابل اعتماد سمجھکر اس مجلس کا امین بنایا گیا تو اُس کے ذمہ ضروری ہے کہ آداب مجلس و اہل مجلس کو ملحوظ رکھکر پوری طرح اظہار رائے کردے ورنہ وہ خائن و بددیانت سمجھا جائیگا۔

اور جس طرح کہ مجلس مشاورۃ میں اپنی رائے کا اظہار آزادی و مطلق العنانی کے ساتھ ضروری ہے اسی طرح دوسروں کی رائے اور اُن کی دلائل کو بغور سننا بھی اس کے ذمہ لازم ہے۔ اوّل تو یہ امر آداب مجلس میں داخل ہے کہ جب کوئی دوسرا کلام کرے تو یہ شخص ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات سُنے یہ بات کہ آدمی خود کلام کرے تو دوسروں سے بتوجہ تام کان لگانیکا متوقع

رہے اور دوسرا کلام کرے تو خود متوجہ نہو آداب مجلس بلکہ تقاضائے انسانیت کے خلاف ہے۔ خود اپنے ہی اوپر قیاس کرے کہ اُس کی گفتگو کے وقت دوسرا متوجہ نہو تو اُس پر کیا گذرتی ہے اس کو کلام کا پورا کرنا کتنا دشوار ہو جاتا ہے۔ سننے والے کی بے توجہی سے نشاط زائل ہو جاتا ہے

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔[اھ]

لجلیسی علی ثلاث ان ارمقه بطرفی اذا اقبل واوسع له اذا جلس واصغی الیه اذا حدث۔	ہمنشین کے تین حق مجھ پر ہیں جب وہ سامنے ہو تو میری نگاہ اس کی طرف لگی رہے۔ جب وہ بیٹھے تو اس کے لئے جگہ چھوڑ دوں۔ جب وہ گفتگو کرے تو کان لگاؤں

حکماء[۵۲] کا قول ہے۔

راس الادب کله الفهم والتفهم والاصغاء للمتکلم۔	ادب کا راس یہ ہے کہ خود صاحب فہم ہو۔ دوسرے سے سمجھنے کی کوشش کرے گفتگو کرنے والے کے سامنے کان لگائے۔

امام[۵۳] شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قوم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

ما رائت مثلهم اشد تناوبا فی مجلس ولا احسن فهما من محدث۔	میں نے ان لوگوں سے زیادہ باری باری مجلس میں گفتگو کرتے۔ اور گفتگو کرنے والے کی بات کو سمجھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔

اسی[۵۴] طرح عبدالملک بن مروان ثانی خلیفہ مروانی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

واللہ ما علمته الا آخذا بثلاث	خدا کی قسم تیرے علم میں وہ تین باتوں کو مضبوطی سے

اھ مستطرف جلد اوّل صفحہ ۱۰۹-۱۲

۵۲ عقد فرید جلد اوّل صفحہ ۱۹۴-۱۲

۵۳ عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹۴-۱۲

۵۴ عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹۴-۱۲

تارکًا لثلاث اخذًا بحسن الحدیث اذا حدث وبحسن الاستماع اذا حُدِّث وبایسر المؤنۃ اذا خولف تارکًا لمجاوبۃ اللئیم ومماراۃ السفیه ومنازعۃ اللجوج۔

تھا ماننے والا۔ اور تین امور کا تارک تھا۔ جب کسی سے بات کرتا تو نہایت لطافت و خوبی سے کرتا۔ جب کوئی اس سے بات کرتا تو کان لگا کر سنتا جب کوئی اس کے خلاف کرتا تو سہل سے سہل تنبیہ اس کو کرتا۔ دنی و کم ظرف لوگوں کے سوال و جواب کم عقلوں کے ساتھ مخالفانہ بات کرنے ہٹی اور لجاجت کرنے والوں کے ساتھ جھگڑنے سے پرہیز کرتا تھا۔

بعض حکماء[۵۱] نے اپنے فرزند کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

یا بنی تعلم حسن الاستماع کما تتعلم الحدیث ولیعلم الناس انك احرص علی ان تسمع منك علی ان تقول۔

بیٹا تم کو اچھی طرح سننا بھی اسی طرح سیکھنا چاہیئے جیسے اچھی طرح بات کرنا۔ لوگ یہ سمجھیں کہ تم کو اپنے بولنے سے دوسروں کے سننے کا زیادہ شوق ہے۔

حضرت حسن بصریؒ[۵۲] فرماتے ہیں۔

حدثوا الناس ما اقبلوا بوجوھکم

لوگوں سے اس وقت تک گفتگو کرو جب تک وہ تمہاری طرف متوجہ رہیں۔

اہل علم[۵۳] و حکمت کے ان کلمات میں سے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں یہ بھی ہیں۔

من حسن الادب ان لا تغالب

حسن ادب میں یہ بھی ہے کہ کسی کی گفتگو پر اپنے غالب

---

۵۱ عقد فرید جلد اوّل صفحہ ۱۹۴ - ۱۲

۵۲ عقد فرید جلد اوّل صفحہ ۱۹۴ - ۱۲

۵۳ عقد فرید جلد اوّل صفحہ ۱۹۴ - ۱۲

أحدا على كلامه واذا سُئل غيرك فلا تجب عنه واذا حدث بحديث فلا تنازعه اياه ولا تقتحم عليه فيه ولا ترِه انك تعلمه واذا كلمت صاحبك فاخذته حجتك فحسن مخرج ذلك عليه ولا تظهر الظفر به وتعلم حسن الاستماع كما تتعلم حسن الكلام۔

آنے کی کوشش نہ کرے۔ اور جب کسی دوسرے سے پوچھا جائے تو خود مجیب نہ بننا چاہیئے اور جب کوئی بات بیان کرے تو درمیان میں بحث و تکرار نہ کرے اور نہ اس میں دخل دے۔ اور نہ اس کو یہ جتلائے کہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے۔ اور اگر گفتگو میں تو غالب آجائے تو اپنے دوست کی بات بنانے کی کوشش کرے۔ اس پر غصہ و فتحمندی کا اظہار نہ کرے۔ تجھکو بات کا اچھی طرح کان لگا کر سننا بھی ایسے ہی سیکھنا چاہیئے جیسے اچھی طرح بات کرنا۔

جب آداب مجلس میں یہ امر داخل ہے تو اس کا بے توجھی سے سننا خلاف تہذیب خلاف آداب مجلس خلاف انسانیت ہو گا۔

دوسرے یہ کہ جب وہ اوروں کی رایوں کی طرف توجہ و التفات نہ کریگا تو علاوہ اس کے کہ اُس سے اُس کا اپنا عجب اور رائے کی ایسی وقعت ظاہر ہوتی ہے کہ دوسروں کی رائے کو قابل التفات بھی نہیں سمجھتا۔ بڑی مضرت یہ ہو گی کہ متکلم کا نشاط جاتا رہیگا اور جس طرح روانی اور آزادی سے وہ اظہار رائے کرتا تھا اس سے رک جائیگا۔ اور جب ممبران مجلس کی طرف سے اظہار رائے پوری طرح نہوا تو مشورہ ناقص اور مجلس مشاورت ناکام ہوئی۔ اور اس نقصان مشورہ اور غیر کامیابی مجلس کا بوجھ اُس شخص کی گردن پر رکھا۔ اور یہ اُس نصح و ہمدردی کے بالکل خلاف ہے جو مشیر کے ذمہ واجب تھی۔

تیسرے یہ کہ متکلم کے کلام میں بہت سے فوائد ایسے ہوتے ہیں جن کی طرف اُس کا ذہن منتقل نہیں ہوتا ممکن ہے کہ معاملہ کے بعض پہلو اس سے مخفی و مستتر رہی ہوں اور بعض ہوں

دقائق تک اس کی نظر نہ پہونچی ہو۔ اگر یہ شخص دوسرے کے کلام کو توجہ تام اور میلان قلب کیساتھ نہ سنے گا تو خود بہت سے فوائد و نکات سے محروم رہیگا جس کا نقصان اس کی ذات کو پہونچیگا۔ اور اِس زیور فضل و کمال سے محروم رہیگا۔ جو بہت سے تجربوں کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ خداوند عالم جل مجدہٗ نے مومنین کے اس وصف خاص کی مدح اپنے کلام پاک میں اس طرح فرمائی۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ	(جو لوگ کہ سنتے ہیں قول کو پس اتباع کرتے ہیں اس میں سے بہتر کا۔

غرض بوجوہات مذکورہ بالا مشیر کے ذمہ ضروری ہے کہ باقی ممبران مجلس شوریٰ کے کلام غور و توجہ سے سنے ایسا نہو کہ اپنی رائے پر کامل اعتماد کرکے دوسروں کی رائے کو بالکل حقیر سمجھے۔

امر دوم کا بیان یہ ہو کہ اگر مجلس شوریٰ میں ممبران مجلس کی رائے باہم مختلف ہیں تو کسی ممبر کو اپنی رائے پر اصرار کا حق نہیں ہے۔ ان کا فرض یہ ہے کہ ہر ایک رائے کی دلیل وحجت کو کان دھر کر سنیں اور اپنے دل میں غور کریں تاکہ مفید رائے کا انکشاف ہو جائے اور وہ اس قابل ہو جائیں کہ اختلاف رائے سے کوئی صحیح نتیجہ نکال سکیں۔ اگر ایسا نہو گا بلکہ ہر شخص اپنی رائے کو قابل اعتماد سمجھیگا۔ اور دوسروں کو حقیر تو اُس میں منازعت ومجادلت کی نوبت آئے گی اور انجام اس کا باہمی مخالفت۔ بغض و عداوت کے سوا کچھ نہو گا اور یہ مجلس مفید ہونے کے سخت مضر ہو جائیگی۔ اختلاف محمود امر ہے۔ معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر بغیر اختلاف آراء روشنی نہیں پڑتی۔ مگر اس وقت جبکہ ہر شخص اپنے خلاف رائے کو ٹھنڈے دل سے سنے اور غور کرے اگر اس کے نزدیک وہ رائے صحیح ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں خود اس کی اخلاقی کمزوری مانع نہ آئے اور غلط ہے تو تہذیب ومتانت کے ساتھ اس کے ضعیف اور غیر مفید ہونے کو ظاہر کرے۔ اگر ایسا نکریگا تو مشاورت کے بار امانت سے سبکدوش نہو گا

اور وہ بجائے امین ہونے کے خائن و بد دیانت سمجھا جائیگا۔

امر سوم کی تفصیل یہ ہے کہ کسی معاملہ میں ایک جماعت سے مشورہ کرنا ہے تو ہر ایک سے جدا جدا مشورہ کرے۔ یا ان کو ایک جا جمع کرکے معاملہ کو پیش کرے اور رائے لے۔

ہر ایک صورت میں بعض منافع خاص ہیں اور بعض مضرتیں۔ جدا جدا رائے لینے میں یہ نفع ضرور ہے کہ ہر شخص تنہائی میں خوب سوچ سمجھکر رائے قائم کریگا۔ اُس کو موقع ملیگا کہ طبیعت کو یکسو کرکے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر ڈالے۔ اور بات کی تہ کو پہونچ سکے۔ کیونکہ اس حالت میں صرف اسی کے اوپر اس کا بار ہے۔ اُس کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اصابت رائے اور فوز مرام کا سہرہ میرے ہی سر بندھے تو اچھا ہے۔ اور خلوت و فراغ قلب کی حالت میں آدمی جس قدر تدبر و تفکر سے کام لے سکتا ہے۔ ہجوم و اجتماع کے وقت نہیں لے سکتا۔ اور پھر بلا کسی قسم کی رعایت یا رعب مجلس یا لحاظ اہل مجلس کے اپنی رائے بے تکلف ظاہر کر دیگا لیکن اس میں یہ نقصان بھی بڑا ہے کہ اجتماع کے بعد بحث و مباحثہ سے جتنے پہلو واضح ہو سکتے ہیں وہ اس صورت میں نہیں ہو سکتے۔ علاوہ اس کے مختلف آرا میں سے صحیح نتیجہ نکالنا اور ایک رائے کو قابل عمل قرار دیکر باقی آرا کو متروک مطروح ناقابل عمل سمجھنا صرف شخص واحد یعنی مستشیر کا کام ہوگا۔ جو تنہا ہرگز اس اہم ذمہ داری کا متحمل نہیں قرار دیا جا سکتا اور اگر ایک ہی شخص کو اس اہم ذمہ داری کے لئے کافی سمجھ لیا جائے گا تو اس کا نقصان بھی قریب قریب اسی کے ہوگا جیسا کہ وہ تنہا مستقل و مستبد ہو کر عمل کرتا۔

اور جمع کرکے مشورہ کرنے میں فائدہ خاص تو یہ ہے کہ معاملہ کے تمام پہلو واضح ہو جاتے ہیں۔ مضر و مفید جوانب کی خوب تنقیح ہو جاتی ہے۔ لیکن مجلس میں اول تو ہر شخص کی طبیعت پر بوجھ نہیں پڑتا اجتماع اختلاط۔ اور غو غائے مجلس تشتت خیالات و پریشانی قلب کے سبب بن جاتے ہیں۔ اور یہ سمجھکر کہ بہت سے مشیر جمع ہیں اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی کہ زور طبیعت لگا کر کوئی نتیجہ خیز بات نکالی جائے بلکہ بسا اوقات بہت سے اشخاص دوسروں پر حوالہ کرکے خود بے فکر

اور مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں رائے کے حسن و قبح میں کچھ دخل نہیں دیتے۔ اور پھر صورت رائے زنی باہم تحاسد۔ تفاخر۔ مشاجرۃ و مخاصمۃ کا احتمال غالب ہوتا ہے۔ اور یہ بھی بسا اوقات پیش آتا ہے کہ بعض افراد رعب مجلس یا اہل مجلس کی وجہ سے رائے زنی میں آزاد نہیں رہتے خصوصاً جبکہ مجلس میں حاکم و محکوم زانو بزانو جمع ہوں۔ محکوم کو مشکل ہو جاتی ہے کہ حاکم کی رائے سے اتفاق کرے یا اختلاف۔ اُس کا ضمیر تو موافقت کی اجازت نہیں دیتا اور ہیبۃ و خوف مخالفت سے مانع آتے ہیں۔ ایسی حالت میں مشورہ سے کسی مفید نتیجہ کا نکلنا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اہل مجلس میں ایک قسم کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس کا اثر نہ صرف اس معاملہ کے ناقص رہجانے تک محدود رہتا ہے بلکہ اور معاملات تک بھی پہونچتا ہے۔ دونوں صورتوں کے دونوں پہلو نفع و نقصان کو خیال کر کے عقلا نے کسی ایک جانب کو ترجیح دی ہے۔

اہل فارس تو مشاورۃ کے لئے انعقاد مجلس کو پسند کرتے تھے تاکہ ہر شخص اپنی رائے بے تکلف ظاہر کر دے اور دوسرا اس کے نقصان کے بیان میں تردد سے کام نہ لے۔ اور اس طرح جس جانب جو حسن و خوبی ہے یا جو خلل و نقصان ہے ظاہر ہو جائے۔ اور تمام پہلو مجمع عام میں روشن ہو کر امر صواب منقح ہو جائے۔

اہل فارس کے سوا دوسری قومیں۔ تنہائی و خلوت میں جداگانہ رائے لینے کو پسند کرتے تھے۔ تاکہ ہر شخص اپنی پوری ہمت و قوۃ سے کسی نتیجہ پر پہونچ سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں سے صورت اول یعنی جداگانہ ہر ہر فرد سے مشورہ لینا باعتبار حصول نفس مقصود مرجح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مقصود صرف یہ ہے کہ عقلا اپنی عقل سلیم اور تجربہ تام کی بدولت حل مشکل کے لئے کوئی راہ نکالیں اور یہ مقصود جداگانہ رائے لینے میں زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ مگر چونکہ دونوں صورتیں اگر کوئی خاص نفع لئے ہوئے ہیں تو دوسری جانب نقصان و مضرت سے بھی خالی نہیں۔ اس لئے مطلقاً کسی ایک صورت کو ترجیح دینا یا ہر ایک موقع پر اوسی طریقہ کو قابل عمل و قبول سمجھ لینا بھی کسی طرح قرین صواب ہے

مقتضاء دانشمندی نہیں ہے۔ اس لئے امام ابوالحسن[1] ماوردی دونوں مذہبوں کو بیان کر کے خود یہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ ہم کو سب سے اول یہ دیکھنا چاہیے کہ مشورہ کس بات میں ہے۔ اگر کسی معاملہ میں رائے کے تمام پہلو تو معلوم ہیں۔ لیکن اس کی تنقیح کرنا ہے کہ ان مختلف پہلوؤں میں سے صحیح۔ حق۔ اور موصل الی المطلوب کونسا ہے۔ تب تو بحالت اجتماعی مشورہ کرنا مفید اور انفع ہے۔ کیوں کہ ہر ایک شق پر مجمع عام میں رد و قدح ہو کر حسن و قبح ظاہر ہو جائیگا۔ اور اگر معاملہ ایسا مبہم و مشکل ہے کہ اس کے حل کے طریقے ابھی معلوم نہیں ہوئے اور نہ اس کے اندر جتنے احتمالات ہیں وہ سب معین و مشخص۔ تب یہی امر متعین ہے کہ ہر شخص کو جداگانہ غور و فکر اور زور طبیعت لگانے کا موقع دیا جائے۔ مجمع عام میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ غرض آراء کے تعیین و تشخیص کی صورۃ میں ان کی صحیح و غلط کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے تو انعقاد مجلس شوریٰ بہتر اور ذریعہ فوز فلاح ہے۔ اور نفس تعین رائے اور تنقیح طریقہ حل معاملہ کے لئے خلوۃ میں غور و فکر ہونا انفع و اولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام ابوالحسن ماوردی کا یہ فیصلہ حق اور صواب ہے۔ اور اس نے ہم کو طریق مشورہ اور انعقاد مجلس شوریٰ کی ضرورۃ۔ غرض و غایت اور طریقے کے لئے شاہراہ بتلا دی ہے۔ اور یہ ایسا فیصلہ ہے جس پر عمل کئے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اور اس کو چھوڑ کر کسی ایک صورت کو اختیار کرنا نہ خطرہ سے خالی ہے۔ اور نہ صحیح نتیجہ تک پہونچانے کا متکفل و ضامن ہو سکتا ہے۔

مگر اس فیصلہ کی تفصیل بیان کر دینے کی ضرورۃ ہے تاکہ جتنی صورتیں اس کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں سب کا حکم معلوم ہو جائے۔ اور کوئی امر مبہم و مجمل باقی نہ رہے۔ اس لئے ہم فیصلہ اصل کو پیش نظر رکھکر ہر ایک شق کو بیان کر دینا چاہتے ہیں۔

معاملات مشورہ طلب دو حال سے خالی نہیں یا مستشیر کو اس کے تمام پہلو معلوم ہیں۔ یا

[1] ادب الدین والدنیا صفحہ ۱۲۲ - ۱۲

نہیں ۔ اور ہر صورۃ میں خواہ اس وجہ سے کہ معاملہ زیادہ اہم اور مشکل نہیں ۔ یا مستشیر کے نزدیک کسی ایک عاقل و تجربہ کار کا مشورہ کافی ہے ۔ ایک شخص سے مشورہ کرے یا جماعت سے یہ کل چار صورتیں ہیں ۔

(۱) رائے کے پہلو معلوم ہیں اور کسی ایک عاقل و مدبر و دانشمند و تجربہ کار ۔ قابل اعتماد کے رائے کو کافی سمجھتا ہے ۔

(۲) رائے کے تمام پہلو معلوم ہیں ۔ اور اس میں جماعت سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں ۔

(۳) رائے کے پہلو معلوم نہیں ۔ بلکہ رائے کے تمام پہلو معلوم کرنے اور کسی ایک رائے کو قابل عمل قرار دینے کے لئے مشورہ کی ضرورت ہے ۔ اور ایک شخص قابل اعتماد کے رائے کو کافی سمجھتا ہے ۔

(۴) رائے کے تمام احتمالات کو معلوم کرنے اور پھر اس میں سے ایک احتمال کو ترجیح کے لئے جماعت سے مشورہ کی حاجت ہے ۔

صورۃ اول میں تنہا اوس شخص سے جس کو اہل مشورہ سمجھ لیا گیا ہے تعین رائے صواب کرلینا کافی ہوگا ۔ اور صورۃ ثانیہ میں رائے کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرنے اور پھر ان میں سے کسی ایک پہلو کو قابل عمل قرار دینے کے لئے ایک مشیر کی رائے کافی ہوگی ۔ صورۃ ثالثہ میں یعنی جبکہ رائے کے تمام پہلو واضح و منکشف ہو چکے صرف تعین رائے حق و صواب کے لئے ایک جماعت سے مشورہ کرنا ہے ۔ یہی مفید ہے کہ جماعت کے سامنے بحیثیت اجتماعی اِس امر کو پیش کیا جائے تاکہ ہر شخص اوس میں جس جانب کو پسند کرتا ہے مع دلائل بیان کرے ۔ اور دوسرے کو اس پر رد و قدح کا موقع ملے ۔ تاکہ بحث و مباحثہ کے بعد ایک جانب قابل عمل قرار دیجا سکے ۔ صورۃ رابعہ میں یہ بہتر ہے کہ اول جماعت کے ہر ایک فرد سے تنہا رائے لی جائے ۔ تاکہ ہر شخص کو غور و فکر کے بعد رائے قائم کرنے کا موقع ملے ۔ اور پھر اس معاملہ کو مجلس شوریٰ میں پیش کرکے تنقیح و تعیین رائے کی جائے ۔

اس صورت میں اوّل تو ہرایک کی رائے کا موازنہ اور اس کی غور و فکر کا درجہ بھی معلوم ہو جائیگا دوسری جماعت کے سامنے قابل عمل پہلو کی تنقیح بھی ہو جائیگی۔

رہی یہ بات کہ مستشیر کو ایک شخص کی رائے پر اعتماد کرلینا کافی ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مشورہ کی جس حد تک ضرورۃ ہے وہ تو ایک اہل اور قابل اعتماد شخص سے مشورہ کر لینے میں پوری ہو جائیگی یہ شخص حکم مشورہ کی تعمیل کرکے بار استبداد سے سبکدوش ہو جائیگا کیونکہ حکم مشورہ میں ایک یا دو کی قید نہیں ہے۔ مگر معاملات کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں بعض معاملات میں ایک کی رائے کافی ہو جاتی ہے۔ اور بعض ایسے مبہم و مشکل ہوتے ہیں کہ تنہا ایک کی رائے کافی نہیں ہوتی۔ مستشیر کو خود اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ وہ بھی سمجھتا ہے کہ میں نے حق مشورہ ادا نہیں کیا۔ اب یہ خود مستشیر کا فرض ہے کہ معاملہ کی نوعیت کا اندازہ کرکے ہرایک درجہ کے متعلق وہی عمل کرے جو اس کے مناسب ہے۔ اگر ہر معاملہ میں جماعت ہی سے مشورہ لازم و ضروری یا مناسب سمجھا جائے تو انصرام معاملات میں بہت دقت و تنگی پیش آجائے۔

البتہ معاملہ اگر شخصی نہیں بلکہ جمہوری ہے۔ اس کا تعلق عام مخلوق سے ہے۔ تو ایسی حالت میں جماعت سے مشورہ کرنا ضروری یا مناسب ہوگا۔ تنہا ایک کی رائے پر عمل کرنے سے فرض مشورہ کما حقہ ادا نہوگا۔ اس میں اندیشہ مضرۃ عام اور اتلاف حقوق کا ہے ہاں اگر جماعۃ ہی کسی ایک اہل و قابل اعتماد کو قایم مقام بنادے تو یہ امر تو دوسرا ہے کہ باعتبار نوعیت معاملہ شخص واحد سے مشورہ کرلینا موجب اطمینان ہے یا نہیں۔ مگر اس صورت میں اتلاف حق نہیں رہیگا۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ جس صورت معاملہ میں رائے کے تمام پہلو معلوم نہیں بلکہ اوّل اس کے پہلو معلوم کرنے اور پھر تنقیح رائے صواب کے لئے جماعت سے مشورہ کی ضرورت ہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ اول ہرایک شخص سے تنہا رائے لی جائے۔ اور پھر مجلس میں جماعت کے سامنے پیش کرکے مختلف آراء میں سے ایک

امر کو منقح کیا جائے۔

لیکن اس پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ہر ایک شخص سے تحریری رائے حاصل کر لی جائے اور پھر ان تحریری رایوں کو مجلس شوریٰ میں پیش کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک سے زبانی رائے لے لی جائے اور مجلس شوریٰ میں مستشیر سب رایوں کو بیان کر دے یا ہر شخص خود اپنی اپنی رائے کو بیان کر دے۔ اور ان پر بحث کر لی جائے۔

یہ بات بھی سمجھ لینے کے قابل ہے کہ تنہا رائے لینے میں یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ رائے کے تمام پہلو معلوم ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ بعض پہلو اب بھی مخفی و مستتر رہے ہوں۔ جن کا انکشاف مجلس شوریٰ میں بوقت اجتماع و تبادلہ خیالات ہو۔ کیوں کہ بسا اوقات فرداً فرداً رایوں کے ملانے سے کوئی ایسا احتمال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اب تک کسی کے خیال میں نہیں آیا تھا اس لئے میرے خیال میں جیسا یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو تنہائی میں غور کرنے کا موقع دیا جائے ایسے ہی اس کی بھی ضرورت ہے کہ مجلس شوریٰ میں بحیثیت اجتماعی پیش کیا جائے۔ ایک حالت دوسری سے مستغنی کرنے والی نہیں مشورہ کی دونوں صورتیں لازم و ملازم ہیں۔

زمانہ حال میں جو طریقے کمیٹیوں اور پارلیمنٹوں میں مروج ہیں وہ امام ابوالحسن ماوردی کے فیصلہ کے موافق انہیں اصول کو پیش نظر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ کمیٹیوں اور پارلیمنٹوں میں عام قاعدہ یہی کہ اوّل تمام امور مشورہ طلب کو لکھ کر ہر ایک ممبر کے پاس بھیجا جاتا اور ان سے تحریری رائے حاصل کر لی جاتی ہے۔ پھر ایک تاریخ معین پر جمع ہو کر اس میں بحث کر لیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ممبر اپنی تحریری رائے نہیں بھیجتے۔ بلکہ غور و فکر کے بعد جو رائے قائم کرتے ہیں اس کو خود مجلس شوریٰ میں ظاہر کرتے ہیں۔

اور یہ تو غالب رواج ہے کہ صرف رائے لکھ دیتے ہیں اس کے وجوہات نہیں لکھتے بلکہ مجلس میں ممبران کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ اور یہ بعینہٖ وہی طریقہ ہے جو امام ابوالحسن

نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی معاملہ دفعتاً پیش آجاتا ہے۔ اور جداگانہ رائے حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ایسے مواقع میں ممبران کمیٹی یا پارلیمنٹ کو جمع کرکے معاملات مشورہ طلب میں رائے زنی کرلی جاتی ہے۔ اور ایسا کرنا بالکل کافی ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات علاوہ ان معاملات کے جن کی بابت رائے حاصل کرنی ہے وقت اجتماع ومباحثہ کوئی جدید معاملہ پیش کرکے تبادلہ خیالات کرلیا جاتا ہے ایسا کرلینا بھی کافی ہے اور ضرورت مشورہ پوری ہوجاتی ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مشورہ کی ہر صورت کافی ہے البتہ احسن طریقہ یہی ہے کہ اول جداگانہ رائیں حاصل کرلی جائیں اور پھر مجلس میں اُنپر بحث ومباحثہ ہوکر ایک جانب کو معین کرلیا جائے۔

مشورہ کو دوہرانے اور دوبارہ کرنے کی ضرورت

انسان فطرتاً تدریجی ترقی کرتا ہے۔ کوئی کمال اُس کو دفعتاً حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے مشورہ میں صحیح رائے تک پہونچنا بھی بتدریج ہوتا ہے۔ کیونکہ صحیح نتیجہ تک بذریعہ مقدمات کے پہونچتا ہے اور تمام مقدمات کا اول وہلہ میں حاضر فی الذہن ہونا ضروری نہیں اس لئے بسا اوقات یہ امر پیش آتا ہے کہ ایک عاقل ومجرب معاملہ کو سنتے ہی کوئی رائے قائم کرلیتا ہے اور پھر غور وفکر کے بعد اس سے منتقل ہوکر دوسری رائے پر جمتا ہے۔ اسی بنا پر عقلا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اول وہلہ کی رائے کو قابل اعتماد نہ سمجھنا چاہیئے۔ تا وقتیکہ مکرر سہ کرر غور نہ کرلیا جائے۔

جب تنہا کسی ایک شخص سے رائے لی گئی۔ یا جماعت کے سامنے پیش ہوکر کوئی امر منقح کرلیا گیا تو عمل کرنے میں اتنی تاخیر کرنی مناسب ہے جس سے اصل معاملہ کو نقصان نہ پہونچے۔ اہل الرائے کو آراء پر کامل غور کرنے کا موقع ملجائے اور وہ رائے پختہ ہوجائے۔

عامر بن انطرب حکیم عرب کا مقولہ ہے۔ دعوا الرای یغب حتی تختمر وایاکم والرای الفطیر یرید الاناۃ فی الرای والتثبت فیہ۔ رائے کو اس وقت تک چھوڑ دو جب تک رات گذر کر اس کا خمیر نہ اٹھ جائے۔ تم کو پہلی مرتبہ کی رائے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ عامر بن انطرب کی غرض اس سے یہ ہے کہ رائے میں تدبر وتثبت سے کام لیا جائے جلدی نہ کی جائے۔

ابن ہبیرہ نے اپنی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ لا تکن اوّل مشیر وایاک والرای الفطیر ولا تشر علی مستبدٍ فان التماس موافقته لوم والاستماع منه خیانة ۔

سب سے پہلا مشیر نہ بن اور بچا رہ۔ اول موہنہ سے نکلی ہوئی رائے سے کسی خودرائے کو مشورہ نہ دے۔ کیونکہ اس سے موافقت کی خواہش کرنا ذنارۃ میں داخل ہے۔ اور اس کی بات کا سننا خیانت ہے۔

عبداللہ بن وہب کا قول ہے۔ ایاکم والرای الفطیر وکان یستعیذ باللہ من الرای الدبری الخبیر ـــ بچتے رہو رائے فطیر سے۔ اور پناہ مانگتے تھے وہ یعنی عبداللہ بن وہب اس انتہائی مفید رائے سے جو بعد از وقت ہو جائے۔

حاصل یہ ہے کہ عقلا کے نزدیک رائے کا رس رس کے پختہ ہونا اور قایم ہونا زیادہ قابل اعتبار و اعتماد ہے۔ اس لئے حتی الوسع رائے قایم کرنے اور اس پر عمل کرنے میں جلدی نہ کی جائے ہاں اس میں اس قدر تاخیر بھی سخت مہلک ہے کہ معاملات کا وقت ہی فوت ہو جائے۔ اور تدبیر کا وقت نکل جائے۔ کیونکہ اول وہلہ رائے پر عمل کرنے میں تو نقصان کا صرف احتمال ہی اور اس صورۃ میں یقین ہے۔

زمانہ حال کے پارلیمنٹوں میں مسودات قانون وغیرہ کو کئی بار پیش کرنا اور سنانا۔ اور ممبران سے دو بارہ سہ بارہ رائے لینا اسی اصول پر مبنی ہے۔ جو حکماء عرب و علماء اسلام بہت زمانہ پہلے ممہد کر چکے ہیں۔

فیصلہ مشاورۃ ان تمام مراحل کے بعد جو بیان کئے گئے ایک اہم اور نہایت اہم مسئلہ کی توضیح و تفصیل ضروری ہے۔ جس پر مشاورۃ یا مجلس مشاورۃ کی کامیابی و ناکامیابی کا مدار ہو اور وہ یہ کہ در صورۃ اختلاف فیصلہ قطعی کرنے۔ اور چند آراء مختلفہ میں سے کسی ایک رائے کو معتمد علیہ۔ قابل عمل۔ صحیح۔ اور منتج قرار دینے کی کیا صورۃ ہے جب تک اس مسئلہ کو طے کر کے فیصلہ کی صورت نہ بتلائی جائے۔ تمام شرائط۔ و آداب مشاورۃ اور انعقاد مجلس مشاورۃ لغو و بیکار ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ غالباً ایک سطحی نظر والا سنکر یہ کہدیگا کہ اس مسئلہ میں اہمیت کیا ہے فیصلہ کا طریقہ ظاہر اور عقلاء زمانہ کا معمول بہا ہے۔ وہ یہ کہ جس جانب کثرۃ رائے ہو وہی جانب حق ہے۔ اور اسی کے موافق فیصلۂ استقرار رائے ہونا چاہیئے۔ اس میں نہ کوئی خلجان کی بات نہ تفصیل کی ضرورت اور نہ ایسی واضح بین اور معمولی امر کو تفصیل اور تشقیق کی اوجھنوں میں ڈالنے کی حاجت۔

لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ فی الواقع مشکل ہے۔ اور بغیر اس کی حل و توضیح کے مشاورۃ کے سارے مراتب ناتمام ہیں۔ چاہے معیار صحت رائے کثرۃ آرا رہی ہو مگر تاوقتیکہ اس کو مدلل نہ بیان کیا جائے۔ اور اس کے تمام پہلوؤں کو واضح نہ کر دیا جائے کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔

علاوہ اس کے ہم کو رفتار زمانہ سے نظر اٹھا کر دیکھنا یہ ہے کہ شریعت نے مشورہ کو مہتم بالشان امر قرار دیا۔ اور درصورۃ مشاورۃ اختلاف رائے ہونا ضروری ہے۔ تو آیا شریعت نے ایسی حالت میں فیصلہ کی کوئی صورۃ بیان کی ہے۔ یا احکام و نظائر شرعیہ سے کسی صورۃ کا استنباط ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر ہم عقلی و شرعی دونوں جانب کا لحاظ کر کے اس مسئلہ کی اس قدر توضیح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس کے بعد انشاء اللہ تعالےٰ کسی فہیم کو حقیقت الامر کے انکشاف میں تردد و تامل کی گنجایش نہ رہے گی۔

لیکن ہم اپنے بیان میں اول عقلی و شرعی طور پر فیصلے کی صورتوں اور کسی ایک صورۃ کی ترجیح پر بحث کریں گے اور اس کے بعد نتائج اخذ کریں گے۔

عقلی طور پر فیصلہ کی بحث اختلاف رائے کی صورۃ میں کسی رائے کو قابل عمل و قبول قرار دینے کے اندر کل دو احتمال ہیں۔ قوۃ دلیل۔ اور کثرۃ آرار۔ لیکن جب ہم عقل کی میزان میں تولتے ہیں تو ہم کو مثل روز روشن واضح ہو جاتا ہے کہ اصل ترجیح اور فیصلہ قوۃ دلیل کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کثرۃ آرار کو صحت رائے اور فیصلہ میں بذاتہ کچھ دخل نہیں ہے۔ ہاں کثرۃ آرار

چوں کہ بسا اوقات قوۃ دلیل کی علامت ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو قائم مقام قوۃ دلیل کا سمجھکر اوسی کے موافق فیصلہ دیدیا جانا بعید از عقل نہیں ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان کا وہ جوہر جس نے اُس کو تمام ذوی الارواح اور حیوانات پر خواہ ملک وجن ہوں یا حیوانات۔ ممتاز و مشرف بنا رکھا ہے۔ عقل وعلم ہیں۔ عقل وعلم میں ملک وجن بھی اگرچہ اوس کے شریک وسہیم ہوں۔ مگر جس درجہ کا علم وعقل اُس کو عطا ہوا ہے اُس درجہ کا اُن کو نہیں۔ اگر ناواقف یا ظاہری عقول کے پابند انسان کی برتری ملک وجن پر تسلیم نہ کریں یا وجود ملک وجن کے قائل ہی نہوں تب بھی اس کی تسلیم میں تو ان کو تامل نہیں ہوسکتا۔ کہ تمام حیوانات۔ طیور و وحوش پر انسان کو عقل وعلم کی وجہ سے امتیاز وفوقیت حاصل ہے۔ اور یہ بات بھی تسلیم ہے کہ تمام افراد انسان عقل وعلم میں مساوی نہیں۔ بلکہ ان کے درجات میں اس قدر تفاضل وتفاوت موجود ہے کہ بعض انسان بہ نسبت بعض کے درجہ حیوانیت وغیر ذوی العقول میں داخل معلوم ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی تسلیم ہے کہ استنباط۔ استدلال۔ دقیقہ سنجی۔ حقیقت شناسی جزئیات سے کلیات تک پہونچنا۔ حاضر سے غائب کی طرف منتقل ہونا۔ چند معلومات سے مجہولات کا علم حاصل کرنا۔ چند مقدمات سے دلیل کا ترکیب دینا۔ دلیل سے نتیجہ کا برآمد ہونا سب عقل پر موقوف ہے۔ اور یہ بھی تسلیم شدہ امر ہے کہ عقل کو تجربہ سے کیا غرض ہوتی ہے۔ جب تمام امور مسلم ہیں تو اس کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہوسکتا ہے کہ کسی معاملہ کی کنہ وحقیقت تک پہونچنا اور اس کے تمام جوانب واحتمالات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر صحیح وسقیم میں امتیاز کرنا۔ پھر ہر ایک دعویٰ کو دلائل قویہ سے مبرہن ومدلل کرنا اوسی شخص سے ہوسکتا ہے جس کو عقل خداداد نصیب ہو۔ اور عقل کی پختہ کاری تجربہ سے ہوچکی ہو۔ اور پھر اہل عقل کی عقول میں جتنا تفاوت ہوتا جائیگا۔ اتنا ہی اُن امور میں تفاوت بھی نظر آئیگا۔

جب یہ امور تسلیم ہوچکے تو اب فرض کر لیجئے کہ ایک شخص جس کی عقل کامل اور تجربہ تام ہے

ایک جانب ہو۔ اور دنیا کے کل یا اکثر افراد جو عقل سے بے بہرہ یا قلیل البضاعت ہیں دوسری جانب تو عقل کا فیصلہ اس معاملہ میں کیا ہوگا۔ صرف یہی کہ جس کی عقل کامل و تجربہ تام ہو اُس کا اقتدا کیا جائے۔ جیساکہ ایک انسان بہ نسبت تمام دنیا کے حیوانات کے ممتاز اور قابل اقتدار تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ ایسا ہی صاحب عقل کامل و تجربۂ تام کا بمقابلہ ان افراد انسانی کے جو بالکل بے عقل۔ و ناتجربہ کار ہیں۔ یا عقل و تجربہ سے کم حصہ لئے ہوئے ہیں۔ قابل اقتدار تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

زمین کے تمام طبقات پر جس قدر قومیں آباد ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے جس قدر دور منظر ارض پر ظاہر ہو کر مٹ چکے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک قوم۔ اور ہر ایک دور پر نظر ڈال کر دیکھ لیجئے یہی نظر آئیگا کہ جب کسی ایک شخص کی عقل و تجربہ کو اوّل درجہ کا تسلیم کرلیا گیا تو ملک کے ملک اوسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ وہ جو کچھ بولتا ہے۔ یہ بھی بولنے لگتے ہیں۔ وہ جو حکم دیتا ہے اس کا اتباع کرتے ہیں۔ وہ جس امر کا مشورہ دیتا ہے اس کے امتثال کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ پھر یہ بات نہیں کہ وہ سارے کے سارے بے عقل و ناتجربہ کار ہیں۔ نہیں۔ باوجود عقل و تجربہ رکھنے کے اس کے اتباع کو اس لئے اپنا فرض قرار دیتے ہیں کہ اُس کی عقل کو اپنی سے زیادہ کامل۔ اُس کے تجربہ کو تام سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ سمجھتے تو ہرگز کوئی ایک عقل والا بھی (چہ جائیکہ تمام عقلاء) اس کا اتباع نہ کرتا۔

اب ہر ملک ہر ایک قوم کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ موجودہ حالات کو خیال کر لیجئے کہ ہر ایک ملک قوم میں ہر ایک زمانہ کے اندر ایسے افراد گذرے ہیں کہ نہ صرف زمانہ حیوۃ میں وہ قابل اتباع و انقیاد سمجھے جاتے تھے۔ بلکہ مابعد کی نسلوں نے بھی ان کے طریقہ پر چلنا ان کے اصول پر کاربند ہونا۔ موجب فخر و فلاح سمجھا ہے۔ اسکی ایک نہیں۔ دو نہیں۔ ہزاروں مثالیں آپ کو ملیں گی۔

پھر اگر کسی مسلم شخص کے اصول و طریقہ میں کسی دوسرے صاحب عقل و فراست نے کچھ

ترمیم کی یا بجائے ان کے دوسرے اصول قائم کیے۔ تو جبتک وہ اپنی عقل و علم کی بدولت دلیل قوی اس کے خلاف قائم نہ کریگا۔ اپنے مشاہدات و تجربات سے جن سے استخراج نتیجہ بھی عقل ہی کا کام ہے۔ سابق اصول و قواعد کے خلاف کچھ نہ دکھلا سکا۔ کسی نے اس کے قول کو تسلیم نہیں کیا۔ ان اصول و قواعد کو تسلیم کر کے سابق اصول و قواعد کو چھوڑا تو صرف اسی بنا پر کہ اس موخر الذکر شخص کے عقل و تجربہ کو اول سے فائق۔ اس کی دلیل و حجۃ کو اس سے قوی اس کے مشاہدہ و تجربہ کو اس سے زیادہ اور تام سمجھ لیا۔

غرض مدار اتباع و انقیاد و اصابت رائے کا قوت دلیل پر ہمیشہ سے رہا ہے۔ تمام عقلاء از ابتدا تا انتہا اسی پر کاربند رہے ہیں۔ کثرۃ افراد تنہا کبھی ترجیح کا سبب نہیں ہے۔ ہاں کثرۃ افراد اور قوت دلیل دونوں جمع ہو جاویں تو نور علی نور ہے۔ اس کو اور وضاحت سے سمجھنا ہے تو زمانہ حال کے قواعد کو جو عقل و حکمت کا زمانہ کہا جاتا ہے اور جس کو قرن مشرق کا خطاب دیا جاتا ہے دیکھ لیجئے۔ پارلیمنٹوں۔ کونسلوں۔ بورڈوں اور میونسپلٹیوں میں۔ ایک ملک یا ایک شہر یا ایک محلہ یا ایک قوم کی طرف سے ایک یا دو قایم مقام ہو کر ممبر بنتے ہیں۔ اور اہل ملک یا شہر یا محلہ یا قوم اپنی جانب سے ان کو تمام حقوق قایم مقامی کے دیکر سیہ سفید کا مالک بنا دیتے ہیں۔ اس کا تسلیم کر لینا ان سب کا تسلیم کر لینا ہوتا ہے۔ اس کا انکار انکا انکار سمجھا جاتا ہے۔

یہ طریقہ اسی اصول کی بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ ہر ایک فرد تو ممبر بن نہیں سکتا۔ نہ ہر ایک کی رائے لی جاتی ہے۔ تو لامحالہ ان کو اختیار دیا گیا کہ اپنے میں سے ایک یا دو ایسے افراد کو منتخب کریں جو ممبر ہونے کے ساتھ ان کے حقوق و فرائض۔ ان کے رسوم و عادات کا تجربہ تام رکھتا ہو۔ پس ظاہر ہے کہ وہ لاکھوں اور ہزاروں افراد میں ایک شخص جو دانشمندی و فراست و تدبیر و تجربہ میں ممتاز سمجھا جاتا ہے ایک قوم کی قوم کا نائب اسی وجہ سے بنا دیا جاتا ہے۔ کہ سب کو اس کی عقل و فراست پر اعتماد ہے۔ اس کی عقل کنہ رس معاملہ کی تہ تک پہونچنے کے قابل ہے۔ اس کا تجربہ ہر نازک موقع پر رہبری کرتا اور اپنے ملک یا قوم کو ورطۂ ہلاکت سے بچا کر کامیابی کی بلند سطح

تک پہونچانے کے لائق ہے۔ اس شخص کی عقل تمام عقول کے ہم پلہ نہیں بلکہ سب سے زیادہ وزنداہ سمجھی جاتی ہے گو ایک قوم کا قائم مقام ہونے کی حیثیت سے کثرۃ کو بھی وہ اپنے اندر سلئے ہوئے ہوتا ہے۔ مگر اوس کے انتخاب میں یہ کثرۃ کارآمد نہیں ہوتی۔ اور نہ اس بنا پر اوس کا انتخاب ہے اگر انتخاب میں فقط یہی امر ملحوظ نظر ہوتا کہ وہ کثیر جماعت کا قائم مقام بنا کر بھیجا جاتا ہے تا کہ اس کی رائے اس کثیر جماعت کی رائے سمجھی جائے تو اوّل یہ لازم ہوتا ہے کہ جب ممبران پارلیمنٹ یا کونسل میں اختلاف ہوا کرتا تو صرف ممبران کی قلت وکثرۃ پر نظر یہ کی جاتی۔ بلکہ ہر ایک نائب کے ساتھ اس کی قوم کی کثرۃ عدد کو بھی فیصلہ میں دخل ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرے انتخاب کے لئے دانشمندی وتجربہ کاری کا وصف لازم نہ ہوتا۔ قوم اپنے خیال پر مطلع کرنے کے لئے محض قاصد یا سفیر کے درجہ پر اس کو رکھتے اور اس کی رائے وتجویز کو کبھی گوارا نہ کرتی۔

غرض اصل لحاظ اس انتخاب میں ممبر کی دانشمندی وتجربہ کاری وہمدردی کا ہے یہ دوسرا امر ہے کہ کوئی قوم یا ملک ان اصول کو پس پشت ڈال کر دوسرے اغراض ومقاصد کی بنا پر دانشمند پر غیر دانشمند کو تجربہ کار پر ناتجربہ کار کو ترجیح دیدی۔ اور کسی ایسے شخص کو منتخب کردے جس سے زیادہ ہوشمند وتجربہ کار موجود ہیں۔ یہ امر خلاف اصول ہوگا۔ جو حجت کے موقع پر پیش نہیں کیا جا سکتا علاوہ ازیں ہر ایک ملک وقوم اپنے لیڈروں کا اتباع صرف اسی وجہ سے کرتے ہیں کہ اون کی عقل وتجربہ کاری اور ساتھ ہی اون کی ہمدردی وخیرخواہی پر پورا اعتماد ہوتا ہے اُن کو عقل وتجربہ میں اپنے سے زیادہ سمجھتے ہیں یہی وجہ ہوتی ہے کہ لیڈروں کے قول کو رد کرنا یا ان کے طریقہ کے سوا دوسری راہ اختیار کرنا قومی جرم سمجھا جاتا ہے ایک لیڈر قوم کی قوم بلکہ ملک کے ملک کا ذمہ دار ان کے نفع وضرر کا مالک ہوتا ہے۔ اور قوم اُن کے سامنے سرنیاز خم کئے ہوئے رہتی ہے۔

اس سے بھی ذرا نظر کو اونچا کیجئے تو نظام سلطنت کی ترکیب میں گو آپ کو بہت سے کیل پُرزے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر سارے نظام کی حرکت کسی ایک ہی محور پر ہوتی ہے۔

وزراء میں سے جو وزیر ہوشمندی۔ دانائی۔ فراست و تجربہ میں چلتا ہوا ہوتا ہے۔ باقی وزرار بھی اوسی ڈگری پر چلتے ہیں۔ اوّل سے آخر تک ہر صیغہ و محکمہ پر اوسی وزیر کا رنگ غالب نظر آتا ہے یہ بھی صرف اسی وجہ سے ہے کہ جب کسی کو عقل و تجربہ میں فائق و ممتاز سمجھ لیا گیا تو اوس کی آرا و تدابیر پر بھی اعتماد کر لیا گیا۔ ورنہ مساوی درجہ کے وزرار کو برابر حق حاصل ہوتا کہ اوس کی جس بات کو چاہیں رد کریں۔ اور جس کو چاہیں قبول کریں۔ قوانین سلطنت نے ان کو تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا انکی آزادی مسلوب نہیں ہوئی۔ اختلاف سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ بایں ہمہ انقیاد و متابعت جس امر میں خلاف کر بیٹھتے ہیں۔ پھر کسی شخص واحد کی گو کتنے ہی بڑے درجہ کا معتمد اور قابل ہو ان کی کچھ نہیں چلتی

خلاصہ یہ کہ عالم کے نظام اور افراد کے طریقۂ عمل سے یہ ثابت ہے کہ جن کی عقل تام۔ نظر غائر طبیعت دقیقہ سنج۔ اور تجربہ تام ہے۔ اونہیں کی بات تسلیم بھی ہوتی ہے عقلار زمانہ کا یہی طرز عمل ہے۔ اسی بنا پر فیصلہ کی دونوں صورتوں میں سے جن کا ذکر اوّل کیا گیا تھا عقل کی رو سے فیصلہ صرف قوۃ دلیل پر مبنی ہونا چاہیے۔ کثرۃ آرا کو فی حد ذاتہ اس میں کچھ دخل نہیں ہے لیکن کثرت رائے بالکل نظر انداز کرنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حمقا۔ جہلا۔ نادان و ناتجربہ کار افراد کی رائے کا نہ اعتبار ہے۔ نہ وقعت۔ اون کی کثرۃ قلت کا اثر حقیقتاً معاملات پر کچھ بھی نہیں پڑتا۔ گفتگو ہے تو عقلار کی رائے میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ گو عقلار میں باہم فرق مراتب ہو۔ اور اسی وجہ سے اُن کے آرا کی قوۃ و ضعف میں بھی فرق ہو۔ مگر چند عقلار کی رائے میں جو قوت ہو سکتی ہے جو ایک عاقل کی رائے میں نہیں ہو سکتی۔ اب فرض کرلو کہ ایک جانب ایک عاقل کی رائے ہے اور دوسری جانب چند کی۔ اس حالت میں فیصلہ کی صورت تو یہی ہونی چاہیے کہ جو رائے قوی ہے اسی کے موافق عمل کیا جائے۔ اب اس عاقل کی رائے کی قوۃ کو دوسرے عقلا اور اہل حل و عقد نے تسلیم کر لیا تب تو اس کی ترجیح میں کوئی تامل ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن فرض کرلو کہ اختلاف قائم رہا۔ اور ہمارے پاس کوئی معیار ایسا نہیں جس سے قوت و ضعف کا اندازہ کر سکیں تو اس وقت مختلف آرا میں سے کسی رائے کو قوی اور مرجح قرار دینے کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے اس وقت اس کو

معلوم کرنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ چند عقلاء کی رائے کو ایک رائے کے مقابلہ میں قوی سمجھا جائے۔ اور اس بناء پر فیصلہ اس جانب ہو جس جانب کثرۃ رائے ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جسکو ہم اوّل عرض کر آئے ہیں۔ کہ کثرۃ رائے کو کوئی فی حد ذاتہ ترجیح ہو۔ مگر علامۃ قوۃ دلیل ہے۔

اس ہمارے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ عقل کی رو سے درصورت اختلاف آراء اصل فیصلہ قوۃ دلیل پر ہوگا۔ اگرچہ یہ قوۃ کسی ایک رائے کو بمقابلہ بہت سے آراء کے حاصل ہو۔ لیکن درصورتیکہ قوۃ رائے معلوم کرنے کا کوئی معیار ہمارے پاس نہ ہو تو اس وقت قوۃ کی علامۃ کثرۃ رائے عقلاء ہی اور کثرۃ رائے کے حق میں فیصلہ دینا حقیقۃً قوۃ دلیل ہی کی بناء پر ہوگا۔

اس کے علاوہ کثرت رائے کے حق میں فیصلہ دینے کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ جب آراء میں اختلاف ہے۔ اور کوئی قوۃ جابرہ اس سے اوپر ایسی نہیں جو رائے مغلوب کو رائے غالب پر فوقیت دیدی تو اس اختلاف و نزاع کے مٹانے کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ ہر ذی رائے اپنی رائے پر مصر اور اپنی کو حق و صواب سمجھتے ہوئے اسی کے موافق فیصلہ کا مقتضی ہے۔

ادھر قوت رائے کوئی محسوس چیز نہیں جسکے ماننے پر ہر کسی منکر کو مجبور کیا جا سکے۔ ایسی حالت میں اس کے سوا کوئی راہ عمل نہیں کہ کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے کیونکہ کثرت ایک محسوس چیز ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں سے مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کا مضمون شروع ہوا

یہانتک عقلی طور پر صورت فیصلہ سے بحث کیگئی ہے۔ اسکے بعد ہم مسئلہ کا دوسرا پہلو یعنی شرعی طریق اور سلف کا طرز عمل پیش کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں ایک مسلمان کیلئے یہی مشغل راہ ہے۔

نصوص قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ و تابعین پر نظر ڈالنے سے بالاجمال اتنی بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلام نے مشورہ کا فیصلہ درصورت اختلاف کثرت رائے کے سپرد نہیں کیا بلکہ قوت رائے کا لحاظ کرتے ہوئے امیر مجلس کو اختیار دیا ہے کہ بجائے اکثریت کے اقلیت کو ترجیح دیدے۔ ہم اس بحث کو کسیقدر تفصیل کیساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ یہ مسئلہ بھی انشاءاللہ تعالیٰ حل ہو جائیگا۔ کہ اسلامی خلافت ملوکیت و شخصیت کی شان رکھتی ہے یا جمہوریت کی پھر چونکہ یہ مسئلہ خود ایک مستقل بحث ہے۔ جو مدت سے ملک میں چھڑی ہوئی ہے اس لئے ہم اس گذارش کو اسی عنوان کے ماتحت پیش کرتے ہیں۔ واللہ الموفق للصواب والمیسر للصعاب

اسلامی خلافت ملوکیت ہے یا جمہوریت

اسلام جس توسط و اعتدال کو اپنی ساتھ لایا ہے اوس کے آثار تمام اسلامی احکام۔ اعتقادات، عبادات، اخلاق، معاملات، سیاسیات و معاشریات میں نمایاں طور پر مشاہد ہیں۔ اور یہی اعتدال اس امت امیہ کا طغرائی امتیاز ہے۔

وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس،،	اسیطرح ہم نے تمھیں ایک متوسط امت بنائی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو۔

مکہ معظمہ کی زاہدانہ زندگی کے بعد جب اسلام تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ تو اس نے اپنی سیاست اور تدبیر ممالک میں بھی اسی اعتدال اور توسط سے کام لیا۔

اور ملوکیت و جمہوریت کے افراط و تفریط کو اٹھا کر سلطنت و سیاست کا ایک ایسا محکم قانون طیار کیا جو تمام مفاسد سے پاک اور تدبیر ممالک کی تمام ضروریات کیلئے صحیح معنوں میں کفیل ہے۔

ملوکیت اور شخصیت کے مفاسد تو محتاج بیان نہیں۔ کیونکہ مروجہ ملوکیت کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) تمام ملک ایک

شخص کا غلام بلکہ غلاموں سے زیادہ پابند ہو۔

(۲) یہ شخص ظلم کرے یا انصاف کسی کو اسکے خلاف لب کھولنے کا حق نہو۔

(۳) عہدہ سلطنت اس کی نسل میں متوارث ہو باپ کے مرنے کے بعد سارا ملک بیٹے کے قبضہ میں آجائے خواہ یہ کیسا ہی جاہل بدخلق اور نااہل نالائق ہو۔

(۴) تمام ملک کے جان و مال اُس کی ایک جنبش لب سے زیروزبر ہو سکتے ہوں۔

الغرض شخصیت کا قانون محض بادشاہ کی زبان ہے۔ اور تمام خلق اللہ کی موت وحیات محض اسکے رحم پر موقوف ہے۔ ساری مخلوق اسکی ذاتی خواہشات کی تختہ مشق ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت سے نظام سلطنت کیا قایم رہ سکتا ہے۔ اور لوگوں کے حقوق کیا ادا ہو سکتے ہیں۔

جمہوریت کے مفاسد آجکل کی مصطلحہ اور مروجہ جمہوریت میں اگرچہ وہ مفاسد نہیں جو ملوکیت میں بیان کئے گئے لیکن اسمیں بعض دوسرے ایسے مفاسد موجود ہیں جو نظام عالم کے قطعاً خلاف ہیں۔

(۱) پہلا تو یہی ہے کہ جمہوریت میں امیر و بادشاہ کی حقیقت ایک شطرنج کے بادشاہ سے زائد نہیں صرف اتنی عنایت اسکے حال پر کیجاتی ہے کہ اسکی رائے کو دو رائے کا قایم مقام سمجھا جاتا ہے۔ اور بس حالانکہ عالم کا فطری نظام اول سے آخر تک اُسی کا مقتضی ہے کہ نظام سلطنت کا ذمہ وار کوئی ایک بااختیار شخص ہونا چاہئے جسکو حقیقی طور پر امیر اور حاکم کہا جا سکے۔ اور جو امور سلطنت کے حل و عقد کا مالک ہو۔ اور جس کی اطاعت تمام رعایا پر فرض ہو۔

(۲) دوسرے ممبران جمہوریت کے باہمی اختلاف رائے کیوقت جمہوریت کا فیصلہ کثرت رائے کے تابع ہوتا ہے۔ کثرت رائے کے مقابلہ میں نہ امیر کی کوئی ہستی ہے اور نہ دوسرے اہل رائے اور تجربہ کار لوگوں کی۔

اور یہ ایک ایسی اصولی غلطی ہے جو سیکڑوں غلطیاں اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ آج ہمارے یہاں کونسلوں اور بورڈ کے الیکشن میں جو طوفان بے تمیزی کے منظر سامنے آتے ہیں اور کثرت رائے

کے فیصلوں کے جو ناگوار نتائج ہمیں روزمرہ بھگتنے پڑتے ہیں ان کے مفاسد سے شاید کوئی انسان آنکھ نہ چراسکے۔ آٹھ آٹھ آنہ میں رائے بکتی ہی۔ ہر فریق کثرت رائے حاصل کرنیکیلئے ہر جائز وناجائز ہتیار کام میں لاتا ہی۔ تعلقات کے دباؤ زور وزر کی نمایشوں سے ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں۔ اور بالآخر نتیجہ اس شخص کے ہاتھ ہوتا ہی جسکی گرہ میں روپیہ زیادہ ہو اور جو روپوں میں بے دریغ خرچ کرنے کا عادی ہو۔ یا جسکے تعلقات سے یا زور سے لوگ مرعوب ہوں یہ ایک ایسی بداہت ہی کہ جسکا ہر شخص سالانہ مشاہدہ کرتا ہی۔

اور پھر یہ طوفان بے تمیزی اپنی برکات جو ملک میں چھوڑ جاتا ہی وہ سب سے زیادہ قابل غور ہیں، الیکشن کا فتنہ تو چند روز میں ختم ہو جاتا ہی لیکن باہمی خانہ جنگیاں۔ عداوتیں اور بغض وعناد جو اسوقت قلوب میں قایم ہو جاتی ہی وہ اکثر ایسا صدقہ جاریہ ہوتا ہی جو قبروں میں ساتھ جاتا ہی۔ اس سال کونسل کے الیکشن کے زمانہ میں ایک مقتدر باپ اور بیٹے کی جنگ جب اخباری دنیا میں منظر عام پر آئی تو جسطرح باپ کو بیٹے کے شرمناک عیوب اخبارات واشتہارات میں شائع کرنے سے دریغ نہ تھا۔ ہونہار فرزند کو بھی ہم اس میدان کارزار میں باپ سے کسیطرح کم نہ پاتے تھے۔ بلکہ ہر گالی کا جواب اس سے زیادہ وزن کی گالی سے دیا جاتا تھا۔

خیر یہ تو اُس حریت کا نتیجہ تھا جو یورپین تمدن کا لازمی اثر ہے اور جسکا خلاصہ نہ فقط مذہب سے آزادی بلکہ انسانیت کی ہر پابندی سے آزادی ہی۔

الغرض یہ سب اس جمہوریت اور کثرت رائے کے فیصلوں کی برکت ہیں جسکو آج سیاست کا اساسی قانون بنالیا گیا ہی۔

موجودہ اور مروّجہ جمہوریت کے فیصلوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو جمہوری حکومت کا خود سر امیر یا روپیہ نکلتا ہی اور یا جبر واستبداد اور مکر وفریب کیونکہ جب کثرت رائے کا پردہ فاش ہوتا ہے تو اس کے پس پردہ یہی چیزیں کارفرما نظر آتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہی کہ الیکشن کے تمام انتخابات میں عموماً وہ خودغرض۔ ہواپرست۔ نااہل لوگ۔ خلق اللہ کی جان ومال کے مالک بن بیٹھے ہیں۔

جنکی نیت اور ہمت ابتدا ہی سے اسکے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ ہمیں حکومت کی کرسی ملجائے۔ پھر مخلوق آرام سے رہے یا تباہ ہو۔ چنانچہ ان کی رائے زنی کا حاصل بھی اس سے زائد نہیں ہوتا کہ جسطرف زیادہ ہاتھ اُٹھتے نظر آئے انہوں نے بھی اپنی جھنڈی اُسی طرف کے لئے اٹھا دی۔ اکثر انہیں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کس معاملہ کے متعلق ہم سے رائے لیگئی ہے۔

اور ان تمام فتنوں کے طوفان کی ذمہ داری صرف کثرت رائے کے فیصلو نپر ہی اگر اختلاف رائے کیوقت فیصلہ امیر مجلس کے سپرد ہو تو ان میں سے اکثر مفاسد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

الغرض جسطرح شخصیت محض بادشاہ پرستی کا نام ہے اور نظام عالم کے لئے کسیطرح مناسب نہیں۔ اسیطرح آجکل کی مصطلحہ جمہوریت اسکے بالکل خلاف ایک غوغا ناس کا نام ہے جس کے مفاسد بھی شخصیت سے کم نہیں۔

اسلام جو نظام عالم کا حقیقی ذمہ دار ہے اس کا فرض تھا کہ اس افراط و تفریط کے درمیان ایسا راستہ اختیار کرے جو ہر قسم کے مفاسد اور خطرات سے پاک ہو۔

چنانچہ اسلامی حکومت کی بنیاد ایک ایسے قانون پر رکھی گئی جو بعض اعتبارات سے شخصیت سے ملتا ہے اور بعض وجوہ سے جمہوریت کا ہمرنگ ہے۔

یعنی خذ ما صفا ودع ما کدر (جو بات اچھی ہو اسکو اختیار کرلو اور جو بری ہو چھوڑ دو)
کے قانون پر عمل کرتے ہوئے شخصیت و جمہوریت دونوں کی وہ دفعات جو مفاسد پر مشتمل تھیں اسلام نے ان سب کو نظر انداز کر دیا اور جن دفعات کے ماتحت نظام عالم درست ہو سکے ان کو اختیار کر لیا۔ جسکی اجمالی صورت یہ ہے۔

(۱) اسلامی خلافت میں وراثت نہیں چلتی۔ یہ ضروری نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا یا اسی کی نسل کا کوئی اور آدمی خلافت و امارت کا جاگیر دار ہو۔ بلکہ بیعت عامہ یا مشورہ سے انتخاب ہو جائے اور یا سابق خلیفہ کسی شخص کو اپنی رائے سے مقرر کر دے (وہ ہی اس عہدہ پر فائز ہو گا۔ (ازالۃ الخفا) ؎

حضرت فاروق اعظم رضؓ اسی دفعہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں،،
لا خلافۃ الا عن مشورۃ کنز العمال ص۱۳۹ ج ۳) { کوئی خلافت بغیر مشورہ کے نہیں ہو سکتی۔
(۲) مہم معاملات میں تنہا خلیفہ بغیر مشورہ کے طے نہیں کر سکتا۔ آیۃ کریمہ وشاورھم فی الامر"
(اور معاملات میں صحابہ سے مشورہ لیجئے) میں خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ کا
حکم فرما کر اُمت کے لئے اُسوہ بنا دیا گیا ہی۔
(۳) اگر خلیفہ وقت کوئی خلاف شرع فعل اختیار کرے تو ہر ادنی سے ادنی مسلمان کو حق ہی کہ
امر بالمعروف کے قواعد وآداب کا لحاظ رکھتے ہوئے ناصحانہ طور پر کلمہ حق اس کے سامنے پیش
کر دے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح ازالۃ الخفاء میں اسکے متعلق فرماتے ہیں" وازاعظم انواع جہادات
امر کردن خلیفہ بمعروف ونہی ازمنکر بغیر خروج بسیف دمی باید کہ بلطف باشد دون العنف ودر خلوت
باشد دون الجلوۃ تا فتنہ برنخیزد"۔ خلفاء راشدین اور صحابہ کے بہت سے واقعات اسکے شاہد
عدل ہیں۔
(۴) خلیفہ وقت اگر کسیکو صریح خلاف شرع کام کرنیکا حکم دے تو اُسپر اس کام میں خلیفہ کا اتباع
واجب نہیں۔ حدیث میں اسی دفعہ کے متعلق ارشاد ہی۔
لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق | خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کیجا سکتی"۔
(۵) امیر اگر اسلام کو ترک کر کے مرتد ہو جائے تو وہ امارت سے معزول ہو جائیگا۔ اور مسلمانوں پر
اس سے جہاد کرنا فرض ہو جائیگا۔ اسیطرح اگر کوئی امیر عام طور پر بے دریغ قتل وغارت اور
عورتوں کی عفت دری اور غصب مال کرنے لگے اور شریعت کے قانون کا کوئی لحاظ نہ رکھے تب
بھی جائز ہے کہ مسلمان اسکے خلاف جمع ہو کر اُسے معزول کر دیں۔ کیونکہ اس کا حکم ڈاکوؤں کا سا
حکم ہے (ازالۃ الخفاء ص) لیکن جب تک یہ نوبت نہ آئے بلکہ شخصی طور پر کسی کسی پر ظلم کرے اُس وقت
تک اس کی بغاوت ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ اسکی اطاعت پر صبر کرنا فرض ہے جس کی تفصیل عنقریب
آتی ہے۔

یہ چند اصولی دفعات ہیں جو جمہوریت سے ملتی جلتی ہیں شخصی سلطنت میں یہ صورتیں موجود نہیں ہوتیں۔

اور دفعات ذیل شخصیت کی ہمرنگ ہیں۔

(۶) مشورہ میں اگر اختلاف رائے پیش آئے تو فیصلہ کثرت رائے کے سپرد نہیں۔ بلکہ امیر کی رائے پر ہے اور اسکو اختیار ہی کہ اقلیت کو اکثریت پر ترجیح دیدے۔ قرآن عزیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرمانے کے بعد فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (پھر جب آپ عزم کریں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کریں) بصیغہ واحد حاضر فرماکر اُسکی طرف اشارہ کیا گیا ہی کہ مشورہ کے بعد کسی جانب کو ترجیح دیکر اس کا عزم کرنا یہ فقط آپ کی رائے پر ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین اور دوسرے خلفاء کے بہت سے معاملات اس کے شاہد ہیں جن کو انشاء اللہ تعالیٰ بتفصیل عرض کیا جائیگا۔

(۷) امیر کی اطاعت ہر مسلمان کے ذمہ سرًّا و علانیۃً فرض ہی۔ جب تک کہ وہ کسی صریح حرام کا حکم نکرے۔ قرآن عزیز میں اسی کے متعلق ارشاد ہی

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم { اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امراء کی اطاعت کرو

(۸) امیر اگر کوئی ظالمانہ حکم نافذ کرے تب بھی رعایا کا فرض ہی کہ اسکی اطاعت کرے۔ انکو اسوقت صرف اتنا حق ہی کہ امر بالمعروف کے ذریعہ حق بات اسکے سامنے پیش کردیں اور بس لیکن اگر امر بالمعروف کے بعد بھی امیر اپنے اس حکم پر قایم رہی تو رعایا کا فرض ہی کہ صبر کے ساتھ اس کی اطاعت کرے۔ اسکی سرکشی اور بغاوت کے لئے آمادہ ہونا اُسوقت بھی جائز نہیں حدیث میں اس دفعہ کے متعلق بکثرت تصریحات موجود ہیں۔

حضرت جریر ابن عبداللہ روایت فرماتی ہیں کہ چند گاؤں والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ بعض صدقات، زکوٰۃ وصول کرنیوالے

سلہ اموال ظاہرہ یعنی مال تجارت اور جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنیکیلئے خلیفہ وقت کیطرف سے کچھ لوگ ملازم ہوتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵)

عامل ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم پر ظلم کرتے ہیں (یعنی مقدار واجب سے زیادہ ہم سے وصول کرتے ہیں) آپ نے ارشاد فرمایا

ارضوا مصدقیکم (ابوداؤد) { اپنے عامل صدقہ کو راضی کرو۔

انہوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر وہ ہم پر ظلم کریں تب بھی ہم اُن کو راضی کریں آپ نے ارشاد فرمایا

ارضوا مصدقیکم وان ظلمتم (رواہ ابوداؤد از مشکوٰۃ) { اپنے عاملین صدقہ کو راضی کرو اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے۔

یہ عاملین صدقہ چونکہ خلیفہ اور امیر وقت کے نائب ہو کر ان لوگوں کے پاس جاتے تھے اس لئے ان کو مجبور کیا گیا ہے کہ ہر حال میں ان کی اطاعت کریں۔ وہ ظلم کریں تب بھی ان کے ذمہ ان کی اطاعت ضروری ہے۔

اسی کے متعلق ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر ابن عتیک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

سیاتیکم رکیب مبغضون فاذا جاؤکم فرحبوا بہم وخلوا بینہم وبین مایبتغون فان عدلوا فلانفسہم وان ظلموا فعلیہم وارضوہم فان تمام زکوتکم رضاہم ولیدعوا لکم۔ رواہ ابوداؤد (از مشکوٰۃ)

قریب ہے کہ تمہارے پاس چند مبغوض لوگ آئیں گے پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انکی ساتھ فراخدلی سے پیش آؤ اور جو کچھ وہ طلب کریں انکو دیدو۔ اگر وہ انصاف کریں گے تو ان کو اسکا فائدہ پہنچیگا اور اگر انہوں نے ظلم کیا تو اسکا ضرر بھی وہ بھگتیں گے تم ان کو راضی کرو اسلئے کہ تمہاری زکوٰۃ کا اتمام ان کی رضا پر موقوف ہے (اور تم انکی ساتھ اسطرح پیش آؤ) کہ وہ تمہارے لئے دعا کریں۔

ان احادیث سے بصراحت معلوم ہوا کہ امیر وقت اگر ظلم بھی کرے تب بھی رعیت کے لئے اطاعت کے سوا کسی جبریہ کا استعمال جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کا ظلم وجبر اور بددیانتی عام خلق اللہ کو محیط ہو کر اسدرجہ کو نہ پہنچ جائے کہ اسکو ڈاکوؤں کی فہرست میں داخل سمجھا جائے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲ تھے جو تمام صدقات وصول کرکے خلیفہ کے پاس جمع کرتے تھے اور پھر خلیفہ انکو مصرف زکوٰۃ میں اپنے انتظام سے خرچ کرتا تھا۔ ان لوگوں کو عامل صدقہ کہا جاتا تھا۔ جو امیر وقت کے نائب ہو کر صاحب نصاب لوگوں کے پاس جاتے تھے ۱۲ منہ

ایک شبہ کا ازالہ لیکن یہ مطلب اسکا ہرگز نہ سمجھا جائے کہ اسلام نے خلیفہ اور امیر وقت کے لئے ظلم کا میدان وسیع کرکے امراء کو ظلم کرنے پر جری اور بیچاری رعیت کو ظلم سہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور یہ وہی عجمی ملوکیت و شخصیت ہے جس کے مفاسد اوپر بیان کئے گئے ہیں۔

کیونکہ نظام معاملات کی درستی کے لئے اسلام کا ایک خاص حکیمانہ اصول ہے جس کے تمام پہلو دیکھنے کے بعد ہر فہیم انسان یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ لوگوں کے باہمی معاملات کی اصلاح کے لئے اس سے بہتر کوئی قانون نہیں ہو سکتا۔

اسلام نے ایک طرف اگر رعایا کو اسپر مجبور کیا ہے کہ امیر وقت کے ظلم و ستم کے وقت بھی تم اس کو راضی کرنے کی کوشش کرو اور ہر حال میں اس کی اطاعت تمہارا فرض ہے۔ تو دوسری جانب امراء کو بھی آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کو اپنی جگہ میں اتنا پابند بنایا ہے کہ اُن کی کوئی حرکت و سکون عدل کے خلاف نہ ہو سکے۔

حضرت معاذ رضؓ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والی یمن بنا کر رخصت کیا ہے۔ تو مفصّل وصیتوں کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے۔

ایاك وکرائم اموالھم واتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب۔ رواہ البخاری ومسلم۔ (مشکوٰۃ)	زکوٰۃ میں لوگوں کے عمدہ عمدہ مال منتخب کرنے سے بچو۔ اور مظلوم کی بد دعا سے ڈرو۔ کیونکہ اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔

نیز حضرت جابر ابن عتیک والی حدیث میں جس جگہ رعایا کو اسکی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر حال میں امیر کی اطاعت کریں۔ وہیں ان امراء کو جو لوگوں پر ظلم کریں۔ مبغوض و مردود فرمایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ سیکڑوں احادیث ہیں جن میں ذرا سے ظلم کرنے والے امیر کے لئے ایسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئی ہیں۔ کہ انکو سُنکر پتّہ پانی ہوتا ہے۔ الغرض ادھر امیر کو اپنی جگہ میں ظلم کے پاس جانے سے روک دیا گیا۔ اور ادھر رعایا کو

(باقی آئندہ)

اس پر مجبور کیا گیا کہ اگر وہ اپنے فرائض کو چھوڑ کر ظلم کرنے پر اتر آئیں تمھیں اسوقت بھی اپنی فرائض اطاعت کو نہ چھوڑنا چاہئے۔ اسلام نے بیشتر تدبیر منزل تدبیر ملک وغیرہ میں اسی زریں اصول سے کام لیا ہے۔ باپ بیٹے کے معاملات میں ایک طرف بیٹے کو مجبور کیا کہ اگر باپ ظلم کرے تب بھی اسکی اطاعت تمھارے ذمہ فرض ہے۔ اور دوسری طرف باپ کو حکم کیا کہ اپنی اولاد کیساتھ شفقت و رحمت سے کام لے اور جو ایسا نکرے وہ مسلمان نہیں۔ اسیطرح خاوند بیوی کے معاملات میں بیوی کو مجبور کیا کہ خاوند اگر ظلم بھی کرے۔ تب بھی تم اس کی اطاعت نہ چھوڑو۔ ادھر خاوند کو سخت تاکید کی کہ بیوی کے حقوق کی پوری نگرانی کرے اور اگر اس میں کوتاہی کی تو قیامت میں اسکی جزا کیلئے تیار ہو جائے۔ اور ایک ایسا حکیمانہ اصول ہے کہ جس سے تمام باہمی نزاع کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اختلافات اور جھگڑوں کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی حدود اور اپنے فرائض کو چھوڑ کر دوسرے کی حدود میں گھسنا چاہتا ہے۔

مثلاً معاملات میں عدل و انصاف کرنا امیر کا فرض منصبی ہے۔ مامور رعایا کو اس میں اس سے زیادہ مداخلت جائز نہیں کہ آداب امر بالمعروف کو لحاظ رکھتے ہوئے حق بات امیر تک پہنچا دے۔ امیر اگر اپنے فرض کو ترک کرے تو کسی طرح عقل کا مقتضا نہیں کہ مامور بھی اپنی حدود سے باہر نکل کھڑا ہو اور اپنے فرائض کو چھوڑ دے۔

کیونکہ یہ انتقامی جذبہ کسی طرح مامور کے حق میں مفید نہیں اور نہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنے حقوق امیر سے وصول کر سکتا ہے۔

فرض کرو کہ اگر اسلام اسوقت مظلوم کو ترک اطاعت کی اجازت دیدے اور اسکو بغاوت و سرکشی سے نروکے تو اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوگا۔ کہ اگر یہ مظلوم کوئی قوت و شوکت نہیں رکھتا تو بغاوت کر کے پہلے سے زیادہ مصائب و مظالم میں گرفتار ہو جائیگا اور اگر اس نے کوئی قوت و شوکت حاصل کر لی جس کے ذریعہ سے امیر کے مقابلہ پر آسکے تو یہ فتنہ عظیم ہوگا جس میں سارے ملک کی جانیں اور مال خطرہ میں پڑجائینگے۔ اور جانبین کی بہت سی جانیں اور مال ضائع ہونگے۔

بغاوت سے پہلے اگر صرف ایک شخص کا نقصان تھا تو بغاوت کرنے میں سارے ملک کا اس سے سو گنا زائد نقصان ہی اور یہی وجہ ہی کہ اگر سارا ملک عام طور پر اسکے مظالم کا شکار ہو جائے اور قتل و غارت میں اسے کسی شرعی حکم کا لحاظ نہ ہے تو پھر اسکے خلاف کرنے اور اس سے بدلہ لینے کو اسلام نے بھی جائز رکھا ہے۔ کما مرّ

ان نتائج پر نظر کرتے ہوئے اسلام نے حکمت کے مشہور قانون پر عمل کیا کہ،

اذا ابتلی المرء ببلیتین فلیختر اھونھما،	جب آدمی دو بلاؤں میں گرفتار ہو تو دونوں میں سے جو سہل ہو اسکو اختیار کر لینا چاہیے۔

جب امیر وقت ظلم کرے تو ہمارے سامنے دو مصیبتیں ہیں ایک یہ کہ مظلوم اپنے ظلم پر صبر کرے۔ اور دوسرے یہ کہ علم بغاوت بلند کرکے خود بھی اس سے زیادہ مصیبت میں گرفتار ہو اور دوسروں کو بھی بلا میں مبتلا کرے۔ ظاہر ہے ان دونوں مصیبتوں کے مقابلہ کیوقت پہلی شکل کا اختیار کرنا ہی عقل سلیم کا مقتضیٰ ہوگا۔ اور میں کہتا ہوں کہ ایسی حالت میں مظلوم کو ظلم پر صبر کرنیکی تلقین کا ذمہ دار فقط شخصیت یا اسلام نہیں۔ آج اگر موجودہ جمہوریت میں کسی شخص پر ظلم ہو اور کثرت رائے اس کے خلاف فیصلہ کردے تو بتلائے کہ یہ شخص کیا کریگا اور اسوقت سیاسی مدبرین اس کیلئے کیا فتویٰ دیں گے۔

کیا کسی عاقل کے نزدیک اس کیلئے یہ مناسب ہوگا کہ جمہوریت کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے خود بھی پہلے سے زیادہ مصائب کا تختۂ مشق بنے اور دوسرے لوگوں کو بھی مصیبت میں ڈالدے۔

بلکہ ہر عقلمند ایسی حالت میں اسکو صبر تلقین کے سوا کوئی چارہ کار نہ سمجھے گا۔ لیکن اس تلقین صبر کا کسی کے نزدیک یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ جمہوریت کے ظلم کا حامی ہی یا امراء کیلئے ظلم کا میدان وسیع کر رہا ہے۔

پس اگر اسلام نے ایسی حالت میں مظلوم کو اطاعت امیر پر مجبور کیا تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ظلم کا دروازہ امراء کیلئے کھولدیا، خصوصاً جبکہ دوسری جانب امراء کو بھی اتنا کس دیا گیا

ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی۔ اور ادھر رعایا کے ہر فرد کو یہ حق دیا ہے کہ امر بالمعروف کے ذریعے کلمۂ حق اُسکو پہنچا دے اور اُس کو اپنے فرائض یاد دلائے۔

الغرض اسلامی قانون سیاست کی آٹھویں اصولی دفعہ یہ ہے کہ اگر خلیفہ وقت ظلم بھی کرے تب بھی رعایا پر اُس کی اطاعت فرض ہے۔ البتہ امر بالمعروف کرنیکا حق ہر شخص کو ہر وقت حاصل ہے۔ (۹) انتخاب امیر کے وقت ضروری ہے کہ خلافت و امارت کی شرطوں پر نظر رکھی جائے جنمیں سے عدالت بھی ایک شرط ہے۔ اسلئے کسی فاسق کو اپنے اختیار سے خلیفہ بنانا جائز نہیں۔ لیکن اگر کوئی فاسق زبردستی سلطنت پر قابو پائے یا پہلے بوقت انتخاب فاسق نہ تھا بعد میں فاسق ہو گیا۔ تو باوجود اُس کے فسق کے اسوقت تک اسکے خلاف علم بلند نکیا جائیگا جب تک کہ کفر صریح میں مبتلا نہو جائے۔ (ازالۃ الخفا حضرت شاہ ولی اللہ)

البتہ اگر کفر صریح میں مبتلا ہو جائے تو وہ خلافت سے معزول ہے اور مسلمانوں کو اُس کا علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) مسائل مجتہد فیہا جنمیں جانبین میں ادلۂ شرعیہ موجود ہیں جیسے حنفی شافعی وغیرہ کے مختلف فیہ مسائل ان میں سے اگر امیر کسی ایک جانب کو متعین کر کے لوگوں کو اسپر عمل کرنیکا حکم دے تو اُن کا فرض ہوگا اُس کا اتباع کریں اگرچہ بحیثیت حنفیت یا شافعیت وہ اس کے مذہب کے خلاف ہو۔

(۱۱) ارکان مجلس شوریٰ کا انتخاب بھی اسلامی سیاست میں اس طوفان بے تمیزی کے ساتھ نہیں ہوتا جو موجودہ جمہوریت کا طغرائی امتیاز ہے اور جسکی بدولت تمام ملک جنگ و جدل اور بغض و عناد کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ بلکہ یہ انتخاب عموماً امیر خود اپنی رائے سے کرتا ہے۔ یہ چند دفعات ہیں جو شخصیت کے ہمرنگ نظر آتی ہیں۔

مجھے اسوقت اسلام کا سیاسی قانون پیش کرنا نہیں۔ بلکہ صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ اسلامی سیاست نہ درحقیقت وہ شخصیت و ملوکیت ہے جو کسریٰ و قیصر اور ملوک عجم کا طریق تھا۔

اور نہ وہ جمہوریت جسکا آجکل عالم میں دور دورہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں طریق نظام عالم کی اصلاح کیلئے کافی نہیں۔ بلکہ اسلام نے اپنے اساسی اصول اعتدال کو پیش نظر رکھتے ہوئے دونوں کے درمیان ایک صراط مستقیم اختیار کیا ہے جو نظام عالم اور معاملات خلق کی اصلاح کیلئے بہترین کفیل ہے۔ اور اس تمام بحث میں بھی اصل غرض صرف اس جزو سے متعلق تھی کہ مشورہ میں اگر اختلاف رائے پیش آئے تو فیصلہ کثرت رائے کے سپرد نہیں بلکہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔ جس کو اجمالاً دفعہ (۶) میں عرض کیا گیا ہے۔ اسوقت ہم اس کو کسیقدر تفصیل سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے پر ہے یا امیر مجلس کی رائے پر

اصولی طور پر اس بحث میں بھی ہمیں سب سے پہلے قرآن عزیز کو حکم بنانا چاہئے اور اسی کے فیصلہ کو محکم اور مختتم فیصلہ سمجھنا چاہیئے۔ جسکی چند آیات اسوقت درج ذیل کیجاتی ہیں۔

مشورہ کے متعلق قرآن عزیز کی سب سے زیادہ مشہور آیت یہ ہے:

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔	آپ (معاملات میں) صحابہ اور عام مسلمانوں سے مشورہ لیجئے اور جب پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ تعالے پر توکل کیجئے۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو حکم فرمایا گیا ہے کہ اہم معاملات میں (جنمیں صریح وحی نہ آئی ہو) صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کریں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مشورہ کے بعد جب آپ کسی ایک جانب کا عزم فرمائیں تو اس میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں اپنی رائے یا مشورہ پر بھروسہ نہ کریں۔

جس سے صاف معلوم ہوا کہ مشورہ کے بعد کسی ایک جانب کو ترجیح دینا اور اس کا عزم کرنا یہ فقط امیر مجلس کی رائے پر موقوف ہے۔ اور اگر مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے کے سپرد ہوتا تو مناسب تھا کہ عزم کے لئے بھی جمع کا صیغہ استعمال کرکے یوں فرمایا جاتا فاذا عزموا (یعنی جب صحابہ کسی جانب کا عزم کریں۔)

الغرض آیت میں بجائے صیغہ جمع کے مفرد کا صیغہ استعمال کرکے اس بات کو بھی صاف کردیا گیا ہے

کہ مشورہ کے بعد فیصلہ کی صورت امیر مجلس کی رائے پر چھوڑ دی۔ امیر اپنی دیانت اور فہم سے جس رائے کو زیادہ صائب سمجھے اس کو نافذ کر دے۔

مشورہ کے متعلق دوسری آیت میں اسطرح ارشاد ہوا ہے۔

وامرھم شوریٰ بینھم (شوریٰ ۴) یعنی مسلمانوں کے معاملات آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں،

جسمیں صحابہ کرام اور سچے مسلمانوں کے اخلاق و اعمال کا اجمالی نقشہ دکھلاتے ہوئے اُن کے اس طرز عمل کی مدح کیگئی ہے کہ وہ اپنے معاملات میں خود رائی سے کام نہیں لیتے بلکہ مشورہ کر کے طے کرتے ہیں۔

اس میں اگرچہ مسئلہ زیر بحث یعنی درصورت اختلاف فیصلہ مشورہ کے متعلق صراحۃً کوئی حکم مذکور نہیں لیکن جن حضرات کے مشوروں کی اس آیت میں مدح فرمائی گئی ہے جب ہم اُن کے تعامل پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا شائبہ اختلاف یہی ثابت ہوتا ہے کہ انکی مجلس شوریٰ پر کثرت رائے کی حکومت نہ تھی۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے مشاورات جنکا ایک حصہ انشاء اللہ تعالےٰ آپ عنقریب ملاحظہ فرمائینگے۔ ان میں سے کسی ایک میں آپ نہ دیکھینگے کہ مشورہ کے بعد موجودہ طرز پر ووٹ لئے گئے ہوں اور آراء کو شمار کر کے انکی کثرت پر فیصلہ کیا گیا ہو آیات قرآنیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور پھر تعامل صحابہ کا درجہ ہے۔ جو درحقیقت آیات قرآنی ہی کی صحیح تفسیر اور واضح شرح ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاورات اور فیصلہ کی صورت

غزوہ بدر مسلمانوں کی شاندار فتح پر ختم ہوا اور قریش کے بڑے بڑے ستّر آدمی گرفتار ہو کر دربار نبوت میں حاضر کئے گئے۔ تو یہ سوال پیش ہوا کہ انکی ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حسب عادت اس کیلئے مجلس شوریٰ طلب کی اور صحابہ کو جمع کر کے مسئلہ زیر بحث پیش فرمایا۔ اتنی بات پر تمام روایات حدیث متفق ہیں کہ اس بارہ میں صحابہ کرام کیجانب سے مختلف رائیں پیش کی گئیں۔ اور صدر الصدور سید الاولین والآخرین نے ایک جانب کو ترجیح دیکر حکم نافذ فرمایا۔

یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر اسکی مجلس شوریٰ کے ارکان کی صحیح تعداد اور انکی رائیں معلوم ہو جائیں اور

یہ بھی معلوم ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اختلاف کو کس طرح رفع فرمایا۔ کثرت رائے کا اعتبار کیا یا قوت کا اور اکثریت کو ترجیح دی یا اقلیت کو تو ہماری بحث کا اسی پر خاتمہ ہوا جاتا ہے لیکن یہ عجب اتفاق ہی کہ اس مشہور واقعہ کو بہت سے راوی روایت فرماتے ہیں۔ مگر صحیح طور پر اس کی کوئی خبر نہیں دیتا کہ اس جلسہ شوریٰ کے شرکا کتنے حضرات تھے اور انہوں نے کیا کیا رائیں پیش فرمائیں بلکہ عام طور پر صرف حضرت صدیق اور فاروق اعظم کا اختلاف رائے ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ البتہ کتب حدیث وتفسیر اور سیر کی بہت سی ورق گردانی کے بعد چند حضرات کے اسما گرامی اور انکی رائیں اور وہ تقریریں جو انہوں نے اس مجلس میں کیں ہیں ہمارے سامنے آئی ہیں۔ جس سے مسئلہ زیر بحث کا علی بصیرت فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

روایات حدیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس شوریٰ ایک معتد بہ جماعت پر مشتمل تھی جس میں سے حضرات ذیل کے اسمار گرامی خاص طور پر ذکر کئے گئے ہیں "۱ حضرت صدیق اکبرؓ ۔ ۲ حضرت عمر فاروق اعظمؓ ۳ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ۴ حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ ۵ حضرت سعد ابن معاذؓ

ان حضرات میں سے صرف حضرت صدیق اکبرؓ کی یہ رائے تھی کہ ان سب کو چھوڑ دیا جائے۔ باقی حضرات میں سے کسی نے انکی تائید نہیں کی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تو یہ تقریر فرمائی

"یا رسول اللہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو وطن سے نکالا۔ اور آپ کے ساتھ قتل وقتال کیا۔ میری رائے میں تو ان کو بلا کر سب کی گردن مار دیجائے

(ترمذی ابن ابی شیبہ امام احمد عن عبداللہ ابن مسعود از درمنثور صفحہ ۲۰۱)"

۲ حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ نے اس سے زیادہ غصہ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ میری رائے تو یہ ہی کہ ان سب کو کسی ایسی وادی میں داخل کیا جائے جہاں سوختہ زیادہ ہو۔ اور پھر اس میں آگ لگا دی جائے (روایت مذکورہ)"

۳ حضرت سعد ابن معاذؓ سے کوئی خاص تقریر منقول نہیں مگر ابن جریر نے بروایت محمد ابن اسحٰق اتنا نقل فرمایا ہے کہ ان کی رائے بھی یہی تھی سب کو قتل کر دیا جائے۔ (تفسیر روح المعانی صفحہ ۲۶۱ ج ۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شرکت جلسہ کو تو خود حضرت عمرؓ نے ذکر فرمایا ہے۔ مگر اس کے متعلق کچھ نہیں فرمایا کہ اُن کی رائے کس طرف تھی۔

بہرحال جن حضرات کے اسماءِ گرامی مذکور ہیں اُن میں سے صرف ایک صدیق اکبرؓ کی یہ رائے منقول ہے کہ ان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے باقی کسی کی تائید منقول نہیں۔

البتہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک روایت میں اجمالاً اسقدر منقول ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی مختلف رائیں مجلس میں پیش ہوئیں تو بعض حضرات نے ان کی موافقت کی اور بعض نے ان کی (اخرجہ ابن المنذر وابو الشیخ وابن مردویہ کذا فی الدر صفحہ ۲۰۲ ج ۳) لیکن اس روایت میں نام کسی کا نہیں لیا گیا۔ بہرحال جن حضرات کے ناموں کی صراحت ملتی ہے ان میں صرف ایک رائے چھوڑ دینے کی طرف ہے اور باقی اُن سے بدلہ لینے اور قتل کرنے کی طرف۔

یہاں تک تو شوریٰ کی رائیوں کا تذکرہ تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس مجلس کے امیر حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسئلہ زیر بحث کا فیصلہ کس طرح فرمایا۔

اس کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ والی حدیث میں مذکور ہے۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی آراء مختلفہ سنکر گھر میں تشریف لے گئے اور کسی کو کچھ جواب نہیں دیا۔ ادھر صحابہ میں رائے زنی شروع ہوئی کوئی کہتا تھا کہ آپ حضرت صدیق کی رائے کو اختیار فرمائیں گے اور کسی کا خیال تھا حضرت فاروق کی رائے قبول کیجائے گی۔ کچھ دیر کے بعد آپ باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر فرمائی (یہ تقریر حدیث عبداللہ ابن مسعود میں مفصل مذکور ہے) جس میں فریقین کی دلجوئی کے الفاظ تھے اور پھر آپ نے آخری فیصلہ حضرت صدیقؓ کی رائے پر فرمایا۔ (رواہ احمد والترمذی وحسنہ الطبرانی والحاکم وصححہ، کذا فی روح المعانی صفحہ ۲۶۰ جلد ۳)۔

لے اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد ومسلم وابوداؤد والترمذی وغیرہم کذا فی الکنز صفحہ ۲۶۵ ج ۵)۔

خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اس واقعہ کی روایت کی تو فیصلہ کے متعلق یہ الفاظ ذکر فرمائے ہیں :-

فہوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قال ابوبکر ولم یھو ما قلت واخذ منھم الفداء (رواہ ابن ابی شیبہ و احمد و مسلم و ابوداؤد و الترمذی وغیرہم عن ابن عباس عن عمر رضی اللہ عنہ (کنز العمال صفحہ ۲۶۶ ج ۵)	پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے قول کو پسند فرمایا۔ اور میرے قول کو پسند نہ فرمایا۔ اور قیدیوں سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اور فاروق اعظم کو خطاب کر کے فرمایا۔

لو اجتمعتما ما عصیتکما اخرجہ ابن مردویہ عن ابن عباسؓ (درمنثور صفحہ ۸۲ ج ۳)۔	اگر تم دونوں ایک رائے پر جمع ہو جاتے تو میں تمہاری رائے کے خلاف نہ کرتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ان ارشادات نے ہمارے زیر بحث مسئلہ کا بچند وجوہ قطعی فیصلہ فرمایا ہے۔

(الف) شرکاء مجلس میں سے جن حضرات کی رائیں روایات میں مذکور ہیں ان میں اکثریت بلکہ ایک رائے کے سوا تمام رائیں اسطرف تھیں کہ ان قیدیوں سے انتقام لیا جائے اور قتل کر دیا جائے۔ صرف ایک صدیق اکبرؓ کی رائے تھی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اکثریت کی کچھ پروا نہ کی بلکہ قوت رائے پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت صدیق کی رائے کو ترجیح دیدی۔

(ب) اور اگر اس سے بھی قطع نظر کیجائے تو فیصلہ کے متعلق جو الفاظ حضرت عمرؓ نے ذکر کئے ہیں وہ خود ہمارے لئے ایک مستقل دلیل ہیں۔ جنمیں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور فاروق رضؓ کی رائے کو پسند نہیں فرمایا۔ ان الفاظ سے خود ظاہر ہے کہ درصورت اختلاف مشورہ کا فیصلہ امیر مجلس کی رائے پر ہے۔

اس کے نزدیک قوت رائے کے اعتبار سے جو پسندیدہ ہو اسکو نافذ کرے خواہ اکثریت اسکے موافق ہو یا مخالف۔

ج۔ عام صحابہ کرامؓ نے جو فیصلہ کے متعلق رائے زنی کرتے ہوئے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان کے الفاظ بھی تقریباً حضرت فاروقؓ کے بیان کی ساتھہ ملتے جلتے ہین جن مین ابھی آپنے ملاحظہ فرمایا ہے کہ کوئی کہتا تھا کہ آپ حضرت صدیق کی رائے کو قبول فرمائین گے اور کسی کا خیال تھا کہ اس بحث مین رائے فاروق کو ترجیح دیجائیگی۔ یہ کسی نے نہ کیا کہ مجلس کے موجودہ ارکان کو شمار کرکے کثرت رائے سے صورت فیصلہ کی تعیین کر لیتا یہ صریح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے مجالس مشورہ پر کثرت رائے کی حکومت نہ تھی۔ ورنہ صحابہ کو اس رائے زنی کرنیکا کوئی موقع ہی نہ تھا کیونکہ صورت فیصلہ خود بخود متعین تھی۔

د) حضرت ابن عباسؓ کی روایت شیخینؓ کے متعلق خود حضرت نبوت کے یہ الفاظ ابھی نقل کئے گئے ہین کہ "اگر تم دونون کسی رائے پر متفق ہوتے تو مین تمھارا اخلاف نہ کرتا" اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف آرا کی صورت مین آپ کثرت رائے کے پابند نہ ہوتے تھے۔ ورنہ اس کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ مین تم دونون کا خلاف نہ کرتا۔

اس ایک واقعہ نے اتنی متعدد وجوہ سے یہ ثابت کردیا کہ اسلامی سیاست مین کثرت کے بجائے قوت رائی کا اعتبار ہے۔ اور امیر مجلس کثرت رائی کا پابند نہین کیا جاتا۔

ایک شبہہ اور اس کا ازلہ یہانپر اگر یہ کہاجائے کہ بدر کے قیدیون کے معاملہ مین اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثریت کے مقابلہ مین صرف حضرت ابوبکر کی رائے پر عمل فرمایا تھا۔ لیکن خداوند عالم کے نزدیک یہ فعل مقبول نہوا بلکہ اظہار ناراضی کے کلمات قرآن کریم مین نازل ہوئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک اجتہادی لغزش تھی جسکا ہونا شان نبوت کے خلاف نہین۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مین ناراضی کا سبب نہ کثرت رائے کو چھوڑنا ہے۔ اور نہ یہ کہ جس رائے کو اختیار کیا گیا ہے وہ فی نفسہ غلط تھی اور یہی وجہ ہے کہ بعد مین بھی حکم وہ ہی باقی رہا جو اس واقعہ مین حضرت صدیق کے رائے کے موافق

جاری کیا گیا تھا۔ چنانچہ خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حدیبیہ میں ستر قیدیوں کو چھوڑا ہے۔ نیز ثمامہ ابن اثال کو قید کرنے کے بعد رہا فرمایا ہے۔ بلکہ یہ ناراضی دوسرے اسباب کی بنا پر تھی (جنکے بیان کا یہ موقع نہیں) یہی وجہ ہے کہ اظہار ناراضی کے الفاظ میں بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ آپ نے کثرت رائے کو چھوڑ کر اقلیت کو کیوں ترجیح دی۔ بلکہ دوسرے اسباب ذکر کئے گئے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد میں اس بحث کے متعلق لکھتے ہیں وقد تکلم الناس فی ای الرأیین کان اصوب فرجحت طائفۃ قول عمر لھذا الحدیث و رجحت طائفۃ قول ابی بکرؓ لاستقرار الامر علیہ وموافقتہ الکتاب الذی سبق من اللہ باحلال ذلک لھم ولموافقتہ الرحمۃ التی غلبت الغضب (زاد المعاد صفحہ ۳۲۳ ج ۱) (ترجمہ) لوگوں نے اسمیں کلام کیا ہے کہ ان دونوں رأیوں میں سے کونسی رائے درست اور صواب تھی۔ سو بعض حضرات نے حضرت عمرؓ کی رائے کو صواب قرار دیا ہے۔ بوجہ اسی حدیث کے (جسمیں خداوند عالم کیجانب سے اس فیصلہ پر اظہار ناراضی کا ذکر ہے) اور دوسرے حضرات نے صدیق اکبرؓ کی رائے ہی کو صواب قرار دیا ہے کیونکہ بالآخر شرعی حکم وہ ہی قرار پایا ہے جو حضرت صدیق کی رائے تھی (یعنی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دینا) نیز یہ رائے اُس ازلی فیصلہ کے مطابق تھی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر تھا۔ نیز یہ رائے اُس رحمت الٰہیہ کے موافق بھی ہے جو غضب پر غالب ہے۔

الغرض یہ اظہار ناراضی بعض وقتی امور کیوجہ سے پیش آیا ہے ورنہ خداوند عالم نے بھی ہمیشہ کیلئے اسی حکم کو جاری رکھا ہے اس فیصلہ میں حضرت صدیق کی رائے پر کیا گیا تھا۔

ایک اور واقعہ اسی غزوۂ بدر میں جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی مختصر جمعیت کے ساتھ محاذ جنگ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابو سفیان اپنے قافلہ کو لیکر نکل گیا ہے۔ مگر قریش کا بڑا لشکر جو اس قافلہ کی امداد کیلئے مکہ سے آیا ہے ابھی اس میدان کے کنارہ پر پڑا ہے۔ تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اب جنگ کو شروع کیا جائے یا ملتوی کر دیجائے۔ اس مجلس شوریٰ کی روداد حضرت انسؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاور	جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو سفیان کے نکلجانے کی

حیث بلغہ اقفال ابی سفیان۔ فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ فقال سعد ابن عبادۃ ایانا تریدیا رسول اللہ والذی نفسی بیدہ لو امرتنا ان نخیضہا البحر لاخضناھا ولو امرتنا ان نضرب اکبادھا الی برک للغماد لفعلنا۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ ذکرہ فی الکنز صفحہ ۲۷۳ جلد ۵۔

اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ اول صدیق اکبرؓ نے رائے پیش کی تو آپ نے اُن سے رُخ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنا خیال ظاہر کیا تو اُنسے بھی اعراض کیا۔ پھر سعد ابن عبادہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ ہماری رائے دریافت کرنا چاہتے ہین۔ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ مین میری جان ہے اگر آپ یہ حکم فرمائین کہ ہم اپنے گھوڑے سمندر مین ڈالدین توہم فوراً کود پڑین گے اور اگر آپ یہ امر فرمائین کہ مقام برک غماد تک گھوڑے دوڑائین تو یقیناً ہم اطاعت کرین گے۔

اس مجلس مشورہ کے طرزعمل سے بھی قطعی طور پر معلوم ہوا۔ اسلامی جلسہ شوریٰ موجودہ جمہوریت کی طرح کثرت رائے کا محکوم نہ تھا۔

تیسرا واقعہ

غزوہ احد مین جب کفار مکہ کا لشکر مدینۃ الرسولؐ کے قریب آپہنچا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ اس مشورہ مین بھی اختلاف رائے کی نوبت آئی بعض حضرات کی رائے تھی کہ مسلمانون کا لشکر شہر مدینہ سے باہر نہ نکلے بلکہ جب کفار شہر مین داخل ہونے لگیں تو گلی کوچون مین متفرق طور پر مقاتلہ کیا جائے اور چھتون کے اوپر سے عورتین ان کی امداد کرین۔ خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی یہی رائے تھی اور بعض صحابہ اس کے خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ ہمین باہر نکلکر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ مختلف رائیں سُنکر گھر مین تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اوران لوگون کی رائے کے موافق طیاری شروع کی جو مدینہ سے باہر نکلکر لڑنے کا مشورہ دیتے تھے۔ لیکن جب ادھر ان لوگون کو یہ خیال ہوا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اصرار کرکے آپ کو اپنی رائے کے خلاف پر مجبور کردیا۔ یہ مناسب نہین۔ یہ سوچ کر ان سب کی رائے بدل گئی اور جب آپ باہر تشریف لائے تو متفقہ طور پر یہ عرض کی کہ مدینہ کے اندر رہکر ہی مقابلہ کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا۔

مَا ینبغی لنبی اذا لبس لأمتہ ان یضعہا حتی یحکم اللہ بینہ وبین عدوہ۔ | کسی نبی کیلئے مناسب نہین جب وہ اپنی زرہ پہن لے کہ اسکو پھر نکالدے جبتک کہ حقتعالی اسکے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نفرمائے۔

الغرض آپ نے اسی رائے کو نافذ فرمایا۔ اور ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لیکر باہر تشریف لے گئے (کذا فی زاد المعاد صفحہ ۳۴۸ جلد ۱)۔

اس واقعہ مین بھی چند وجوہ سے ہمارے مسئلہ زیر بحث پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) اول اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فیصلہ ابتداءً فرمایا تہا اس مین کثرت وقلت کی کوئی گفتگو درمیان مین نہین آئی۔ بلکہ جس رائے کو آپ نے نافذ فرمایا تہا اس کی ترجیح کی وجہ روایات کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہین۔ کہ یہ جماعت فضلائے صحابہ پر مشتمل تھی اور ان کی قوت رائے باعث ترجیح ہوئی۔ روایات کے الفاظ یہ ہین۔

فبادر جماعۃ من فضلاء الصحابۃ ممن فاتہ الخروج یوم بدر واشاروا علیہ بالخروج والحوا علیہ فی ذلک (زاد المعاد صفحہ ۳۴۳ ج ۱)۔ | ان فضلاء صحابہ کی ایک جماعت آگے بڑھی جنکو غزوہ بدر مین شرکت کا موقع نہین مل سکا تہا توانہون نے یہی مشورہ دیا کہ آپ باہر نکلکر جنگ کرین۔ اور اس رائے پر اصرار کیا۔

(۲) دوسرے یہ کہ بعد مین جب ان حضرات کی رائے بدلی اور سب نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ شہر کے اندر ہی مقابلہ کیا جائے۔ تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کے خلاف خروج ہی کے حکم کو نافذ فرمایا۔

یہ چند واقعات ہین جلسے حضرت نبوت کی مجلس شوریٰ کے طرز عمل کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہی اور بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورون مین اہل شوریٰ کی رائین شمار کرنے اور پھر کثرت پر فیصلہ کرنے کی ایک نظیر بھی پیش نہین کیجاسکتی۔

اس کے بعد ہم خلفاء راشدین کی مجلس شوریٰ اور اس کے طرز عمل کو چند واقعات کے ذریعہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہین۔

خلفائے راشدینؓ کی مجالس شوریٰ

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشاورات اور ان کا طرز عمل اگرچہ قواعد اصول کے مطابق تمام اُمّت کے لیئے اُسوہ ہے۔ اور جب تک تخصیص کی کوئی صریح دلیل معلوم نہو اوسوقت تک اُس طرز عمل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھہ مخصوص کہنے کی کوئی وجہ نہین۔

لیکن تاہم کسی کو یہ خیال گذر سکتا ہے کہ آپ تو بوجہ عہدہ نبوت خود مشورہ کے بھی محتاج نہیں تھے۔ اور اسی وجہ سے تمام اُمّت کے مقابلہ مین آپ کی تنہا رائے راجح ہوسکتی ہے لیکن نبی کے علاوہ کبھی دوسرے شخص کے لیئے یہ اختیار ثابت نہین ہوسکتا۔ اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اسکے بعد ہم خلفاء راشدین کا طرز عمل اور ان کی مجالس شوریٰ کا اجمالی نقشہ بھی ناظرین کے لیئے پیش کردیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی مجلس شوریٰ

فریضہ زکوٰۃ چھوڑنے والون پر جہاد اور صحابہ کی رائین

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی تو مدینہ مین نفاق پھیل گیا اور عرب مرتد ہونے لگے۔ ادھر عجم مین بھی یہی سہی ہوا اثر کرگئی اور مرتد ہوکر مقابلہ کی دھمکیان دینے لگے۔ اور ان کی دیانو پر یہ باتین آگئین کہ یہ شخص جسکی وجہ سے مسلمان تمام اقوام پر بھاری تھے اور جس کی وجہ سے ہر جنگ مین ان کی مدد ہوتی تھی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وفات پاگئے اور اب مسلمانون کا مٹا دینا سہل ہوگیا ہے۔

خلیفہ وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھکر مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور یہ تقریر فرمائی کہ:۔

آپ کو معلوم ہے کہ عرب نے زکوٰۃ ادا کرنی چھوڑ دی اور وہ اپنے دین سے مرتد ہوگئے ادھر عجم نے تمہارے مقابلہ کے لیئے نہاوند کو تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ یہ کہتے ہین کہ مسلمان جس شخص کی وجہ سے

ہمیشہ مظفر و منصور ہوتے تھے (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ آج انتقال کر گئے ہین اسوقت موقع ہے کہ مسلمانون کو دنیا سے مٹادیا جائے۔ آپ مجھے مشورہ دین کہ اس حالت مین کیا کرنا چاہیے کیونکہ مین بھی تمھین مین سے ایک شخص ہون۔ اور مجھپر بہ نسبت تمھارے اس مصیبت کا بوجھہ زیادہ ہے اعیان صحابہ مہاجرین وانصار کا مجمع ہے لیکن یہ واقعہ سنکر سب پر ایک سکتہ کا عالم طاری ہے اور کوئی کچھہ نہین بولتا یہانتک کہ ایک طویل سکوت کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریر شروع کی اور فرمایا۔

"اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخدا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ (وقت کی نزاکت کو سامنے رکھکر اسوقت) عرب سے نماز ادا کرنے ہی کو غنیمت سمجھین۔ اور فریضہ زکوٰۃ کے چھوڑنے پر مواخذہ نکرین۔ اسلئے کہ یہ لوگ اسلام مین ابھی ابھی داخل ہوئے ہین ابتک اسلام ان کے دلون مین رچا نہین۔ پھر یا تو اللہ تعالیٰ انکو ہدایت کیطرف پھیر دیگا اور یہ تمام اسلامی فرائض واحکام کو تسلیم کرکے سچے مسلمان ہو جائین گے۔ اور یا اللہ تعالیٰ اسلام کو قوت دیدیگا تو ہم اُن کے مقابلہ پر قادر ہو جائین گے اسوقت مقابلہ کیا جائیگا۔ لیکن اسوقت تو موجودہ مہاجرین وانصار مین تمام عرب وعجم کے مقابلہ کی سکت نہین۔"

حضرت فاروق کی رائے سُننے کے بعد صدیق اکبرؓ حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہون نے بھی حرف بحرف حضرت فاروق کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی اسی کی تائید کی۔ ان کے بعد تمام مہاجرین اسی رائے کی تائید مین یک زبان ہو گئے۔

یہ دیکھکر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کیطرف متوجہ ہوئے۔ اُنہون نے بھی متفقہ طور پر یہی رائے ظاہر کی اسوقت ان سے مقاتلہ قرین مصلحت نہین۔ یہ سُنکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریر کرنے کیلئے منبر پر چڑھے۔

یہ افضل الناس بعد الانبیاء، وحضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس شوریٰ کا ایک واقعہ ہے

جسمین شوریٰ کے تمام ارکان بلا استثنا، امیر کی رائی کے خلاف رائے پیش کرتے ہین۔ اب سُنئے کہ یہ مسلمانون کا سب سے پہلا امیر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خلیفہ اس واقع مین کیا فیصلہ دیتا ہی۔ تاکہ ہمارے مسئلہ زیر بحث کا فیصلہ صاف طور پر خلیفہ اول کے عمل سے ہو جائے۔

حضرت صدیق کا یہ خطبہ چونکہ فصاحت و بلاغت اور شوکت و جلالت کا ایک خاص نمونہ ہی اسلئے عربی دان طبقہ کی دلچسپی کیلیئے اس کے اصل الفاظ بھی نقل کئے جاتے ہین۔

اما بعد فان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والحق قُلٌّ شرید والاسلام غریب طرید قد رث حبلہ وقل اھلہ فجمعھم اللہ تعالی بمحمد صلی اللہ علیہ فجعلھم الامۃ الباقیۃ الوسطی واللہ لاابرح اقوم بامر اللہ واجاھد فی سبیل اللہ حتی ینجز اللہ تعالی لنا ویفی لنا عھدہ فیقتل من قتل منا شھیدا فی الجنۃ ویبقی من بقی خلیفۃ اللہ فی ارضہ ووارث عبادہ الحق فان اللہ قال لیس لقولہ خلف وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم واللہ لو منعونی عقالا کانوا یعطون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم اقبل معھم الشجر والمدر والجن والانس لجاھدتھم حتی تلحق روحی باللہ ان اللہ لم یفرق

حمد و نعت کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے وقت مبعوث فرمایا جبکہ دنیا مین حق نہایت قلیل اور گمنام تھا اور اسلام محض اجنبی اور غیر مقبول تھا۔ اس کی رسی بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اور اسکے اہل کم رہگئے تھے۔ پھر اللہ تعالی نے انکو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھون جمع فرمایا اور انھین قیامت تک باقی رہنے والی معتدل اُمّت بنادی۔ خدا کی قسم مین برابر امر الٰہی پر قائم رہونگا اور خدا کے رستہ مین جہاد کرونگا یہانتک کہ حق تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمادین۔ اور ہم مین سے جو قتل ہو وہ شہید ہو کر جنت مین جائے اور جو زندہ رہے وہ خدا کی زمین مین اس کا خلیفہ اور اس کے بندون کا وارث ہو کر رہے۔ اسلئے کہ حق تعالی نے فرمایا ہے (اور اس کا وعدہ کبھی خلاف نہین ہوتا) کہ اللہ تعالی نے نیک عمل کرنیوالے مسلمانون سے وعدہ کیا ہی کہ وہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائیگا۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگون کو خلیفہ بنایا تھا۔ خدا کی قسم۔ اگر وہ لوگ جو زکوۃ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیتے تھے اسمین سے ایک رسی بھی روکینگے تو مین ان سے برابر جہاد کرتا رہونگا۔ یہانتک کہ میری روح خدا تعالیٰ

بین الصّلوٰۃ والزکوٰۃ ثم جمعھما رواہ الخطابی فی رواۃ مالک (کذا فی الکنز صفحہ ۱۴۲ ج ۳) ۔

سے جا ملے ۔ اگرچہ اسوقت ان کی امداد کیلئے دنیا کا ہر درخت اور پتھر اور جن وانس میرے مقابلہ کے لئے جمع ہو جائین کیونکہ خدا تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ مین کوئی فرق نہین فرمایا بلکہ دونون کو ایک ہی سلسلہ مین ذکر فرمایا ہی ۔

حضرت صدیق کے اس پر شوکت خطبہ نے مجمع کو محو حیرت بنا دیا تھا ۔ تقریر ختم ہوتے ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کا شرح صدر فرمایا ہے ۔ میرا بھی اسپر شرح صدر ہو گیا ۔

لیکن اسوقت بھی صرف فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت منقول ہی اور کسی کی تائید میری نظر سے نہین گذری ۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بدستور اس کی مخالفت پر قائم رہنا اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ :۔

جب حضرت صدیق رضی اللہ اس جہاد پر عزم مصمم کرکے مدینہ سے چل کھڑے ہوئے اور مقام ذی القصہ تک پہنچ گئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آگے بڑھکر گھوڑے کی باگ تھام لی اور فرمایا کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ کدھر جاتے ہین ۔ آج مین بھی آپ سے وہی کہتا ہون جو غزوۂ احد مین آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا یعنی

شم سیفک ولا تفجعنا بنفسک فواللہ لئن اُصِبنا بک لایکون للاسلام بعدک نظاماً ابداً رواہ الدارقطنی فی غرائب مالک (کنز صفحہ ۱۴۳ ج ۳) ۔

اپنی تلوار کو میان مین کیجئے اور ہمین اپنی ہستی سے محروم نہ کیجئے ۔ کیونکہ خدا کی قسم اگر آپ قتل کی مصیبت ہم پر پڑ گئی تو پھر آپ کے بعد اسلام کا کبھی نظام درست نہ ہوگا ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس تقاضا و اصرار پر خلیفہ اول خود تو واپس مدینہ مین تشریف لے آئے ۔ مگر اصل عزم کو نہین چھوڑا ۔

بلکہ حضرت سیف اللہ خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی مین ایک لشکر ان مرتدین کیطرف روانہ فرمایا ۔

(باقی آئندہ)

اس واقعہ مین خلیفہ اول رضؓ کے فیصلہ نے ہمارے مسئلہ زیربحث کا نہایت وضاحت سے فیصلہ کردیا ہے کہ اگر مشورہ مین اختلاف آرا کی نوبت آئے تو ان سب آرا مختلفہ کو سننے کے بعد امیر کی رائے جس جانب پر قائم ہوجائے بس وہی قابل انفاذ ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین مین سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انتظامی خصوصیت اور اس مین انتہائی قابلیت فقط اہل اسلام مین نہین۔ بلکہ تمام دنیا کے قدیم وجدید سیاسی طبقون مین بلاخلاف تسلیم کیجا چکی ہے۔ اور اسی لئے ہمارے مسلمانون مین بھی جن حضرات کے نزدیک یورپین تمدن ومعاشرت ہی تمام خوبیون کا معیار ہے اور روشن خیالی اسی کا نام ہے کہ اسلامی قبا کو کھینچ تان کر اس جسم نازیبا پر راست بنادین اگرچہ اس کھینچا تانی سے خود قبا پھٹ جائے۔ انھون نے یورپ کی موجودہ جمہوریت کو بھی جب اسلام کے سر تھوپنے کی ٹھانی تو اس کا ذمہ دار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ٹھیرایا ہے۔

اس لئے عہد فاروقی کے چند واقعات پیش کئے جاتے ہین جن کے مجموعہ سے اس مین شبہ نہین رہتا کہ خلافت فاروقی کے زمانہ مین بھی جب کہ سیاسی انتظامات کمال کو پہنچ چکے تھے۔ خلیفہ وقت کثرت رائے کا محکوم نہ تہا۔ بلکہ صحیح معنی مین حاکم تہا اور ہر مختلف فیہ مسئلہ مین آرا مختلفہ سننے کے بعد جس جانب کی ترجیح پر اس کا شرح صدر ہوتا تہا۔ وہی تمام ممالک کیلئے نافذ ہوتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ امیر کے شرح صدر کا سبب کبھی کثرت رائے ہی ہوجائے اور کبھی دوسری وجوہ۔

امام ابوجعفر طبری بحوالہ صحیح بخاری ومسلم نقل فرماتے ہین کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمرؓ شام کی طرف چلے اور مقام سرغ[1] تک پہنچ گئے۔ تو شام کے اسلامی حکام اور فوجی سردار آگے بڑھکر یہان آملے۔ اور خبر دی کہ آجکل شام مین وبار (طاعون) پھیلی ہوئی ہے۔

ابن عباس فرماتے ہین کہ یہ خبر سنکر حضرت عمرؓ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مہاجرین اولین کو جمع کرو۔ مین نے حکم کی تعمیل کی۔ جب سب جمع ہوگئے تو وبار کی خبر سناکر اُن سے مشورہ طلب کیا۔ اُن کے

[1] مدینہ طیبہ سے تیرہ منزل کے فاصلہ پر ایک گاؤن کا نام ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ گاؤن وادی تبوک مین واقع ہے (الریاض النضرہ صفحہ ۷۱ جلد ۲) ۱۲ منہ

آپس مین اختلاف ہوا۔ بعض نے عرض کیا کہ آپ ایک اسلامی کام کے لئے نکلے ہین۔ اسلئے ہم مناسب نہین سمجھتے کہ اب اسکو چھوڑ کر واپس ہوجائین۔ اور بعض نے کہا کہ آپ کی ساتھہ خدا کی ایک عظیم مخلوق اور تمام صحابہ کرام کا جتھا ہی۔ ہمارے نزدیک مناسب نہین ہے کہ آپ ان سب کو وبا مین ڈالدین۔ خلیفہ وقت نے یہ اختلاف رائے سنکر نہ دونون کے عدد شمار کئے اور نہ کثرت و قلت کو دیکھا۔ بلکہ سب کو رخصت کردیا۔ اور پھر حضرت ابن عباس رضی نے فرمایا کہ انصار کو جمع کرو۔ جب وہ جمع ہوگئے تو ان سے بھی یہی مشورہ طلب کیا۔ ان مین بعینہ یہی اختلاف رائے پیش آیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی رخصت کردیا۔

اور پھر حضرت ابن عباس رض سے فرمایا کہ اب ان سن رسیدہ قریشی مہاجرین کو جمع کرو جنھون نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ ابن عباس فرماتے ہین کہ مین نے ان کو جمع کیا۔ ان سب نے یہ معاملہ سنکر یک زبان ہوکر کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ واپس لوٹ جائین اور ان تمام خلق اللہ کو وبا کی آگ مین نہ ڈالین۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سُنکر لشکر مین اعلان فرمایا کہ ہم علی الصباح یہان سے مدینہ کو واپس ہوجائین گے۔

صوبہ شام کے امیر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا آپ تقدیر خداوندی سے بھاگتے ہین۔ فاروق اعظم چونکہ ان کی بہت قدر کرتے اور ان کے خلاف کو پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تمہارے سوا کوئی اور ایسا کہتا تو بعید نہ تھا (لیکن تم جیسے فہیم آدمی سے ایسا اعتراض بعید ہی)۔ سُن لو کہ بیشک ہم تقدیر خداوندی سے تقدیر خداوندی ہی کی طرف بھاگتے ہین۔ (مطلب یہ تھا کہ خلق اللہ کو ہلاکت اور مضرت کی جگھون سے بچانا بھی حکم خداوندی ہی ہے لہذا ہم ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہین اسمین مضائقہ ہی)۔

اور پھر فرمایا کہ اگر آپ کسی جنگل مین اپنے اونٹ چرانے کیلئے لیجائین اور ایسی جگہ مین جاکر اُترین جسکے دو حصہ ہون ایک قحط زدہ اور خراب اور دوسرے مین سبزہ لہلہاتا ہو تو کیا یہ بات صحیح نہین کہ اگر آپ خراب حصہ مین چرائین گے وہ بھی تقدیر خداوندی سے چرائین گے۔ اور اگر اچھے سبزہ زار مین چرائین گے تو وہ بھی تقدیر الٰہی سے ہوگا۔

حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ کہین باہر تشریف لے گئے تھے۔ اتفاقاً اس وقت پہنچ گئے اور واقعات سنکر فرمانے لگے کہ مجھے اس کا شرعی حکم معلوم ہی۔ کیونکہ مین نے خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ:۔

اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ واذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا فرارًا منہ { جب سنو کہ کسی شہر مین طاعون ہے تو وہان مت جاؤ اور اگر جس جگہ تم پہلے سے موجود ہو وہان طاعون آجائے تو وہان سے نہ نکلو۔

حضرت فاروق رضؓ نے یہ سنکر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور حسب ارادہ واپس ہوگئے۔ اس واقعہ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ مشورہ کا فیصلہ اسلامی خلافت مین کثرت رائے کے حوالہ نہ تہا۔ بلکہ مشورہ کی غرض محض یہ ہوتی تھی کہ لوگون کی رائین سُنکر مسئلہ کے تمام پہلو روشنی مین آجائین اور پھر جس چیز پر امیر کا شرح صدر ہو وہ عمل مین لایا جائے۔

اس واقعہ مین جب تک حضرت فاروق کو شرح صدر حاصل نہین ہوا مجلس شوریٰ کو بدلتے رہی۔ لشکر کی تنظیم اور مال غنیمت وغیرہ کی تقسیم کے بارہ مین بھی جب حضرت فاروق رضؓ نے مجلس مشورت طلب فرمائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان رضؓ اور ولید ابن ہشام ابن مغیرہ رضؓ وغیرہم کی مختلف رائین مجلس مین پیش ہوئین۔ اسوقت بھی حضرت فاروق رضؓ نے کثرت وقلت کی طرف کوئی التفات نہین فرمایا۔ بلکہ ولید ابن ہشام کی رائی کو زیادہ قوی اور مفید سمجھکر اسی کو نافذ فرمادیا۔ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء مین اس مشورہ کے فیصلہ کے متعلق جو الفاظ نقل کئے ہین وہ اس کیلئے شاہد عدل ہین۔ وہی ہٰذا:۔

فاخذ بقولہ (ای بقول ولید) تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۱ { آپ نے ولید کے قول کو قبول کرکے نافذ کیا۔

یہ چند واقعات ہین حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مجالس مشورت کے۔ جن کے دیکھنے کے بعد ایک مسلمان کو اس مین تردد نہین رہ سکتا۔ اسلامی مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے کا محکوم نہین ہوتا۔

خیال تہا کہ اسلامی تاریخ سے اس سلسلہ کی پوری تکمیل کیجائے۔ اور حضرت عثمان غنی رضؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے بعد جمہور خلفاء اسلام کی مجالس مشاورت رودادین پیش کرکے مسئلہ زیر بحث کو مؤید و مشیّد کیا جائے۔ لیکن ایک طرف تو ہجوم افکار وحوادث اور ضیق وقت

وقلت فراغت اس مین سنگ راہ ہورہی تھی دوسری طرف یہ بھی خیال ہوا کہ ایک حق طلب مسلمان کی تشفی واطمینان کیلئے تو اسقدر بھی کافی ہے۔ اور معاند ومخالف کے لئے ہزار دفتر بھی مفید نہین۔ اس لئے اس تاریخی سلسلہ کو یہین ختم کردینا مناسب معلوم ہوا۔ آخر مین کثرت رائے کی حقیقت اور اس کے ایک گونہ فائدہ پر بھی متنبہ کردینا ضروری ہے۔

کثرت رائے کی حقیقت اور اُس کا فائدہ

اگر مشورہ کی حقیقت اور اس کی اصلی غرض پر نظر کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ زیر غور معاملہ کی تمام جوانب منافع اور مضار روشنی مین آجائین اور پھر مشورہ لینے والا جس جانب کو اختیار کرے علی بصیرۃ اختیار کرے۔ کیونکہ بہت مرتبہ ایک کام کے منافع انسان کے سامنے ہوتے ہین اور اس کی مضرتون کا اسکو علم نہین ہوتا یا ان سے ذہول ہوتا ہے مشورہ سے اس کے تمام مضار اور نافع پہلو واضح ہوکر ایک جانب کو علی بصیرۃ ترجیح دینے پر قدرت ہوجاتی ہے یہی مشورہ کی اصلی غرض اور مقصد۔ اس کا مقتضی خود یہ ہے کہ مشورہ طلب کرنیوالا بعد مشورہ کے بھی ایسا ہی آزاد رہے جیسا قبل از مشورہ تھا۔ قلت وکثرت کا محکوم نہو بلکہ مسئلہ کے تمام جوانب کو دیکھکر جو اس کی رائے قایم ہو اسی کو توکلاً علی اللہ اختیار کرے۔

اور درحقیقت کسی رائے کے صائب اور مفید ہونے کو کثرت وقلت سے کوئی تعلق نہین بلکہ بعید نہین کہ کثرت رائے اکثر غیر مفید بلکہ مضر جانب پر ہوا کرے۔

مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے سرسید احمد خانصاحب سے اس مسئلہ مین گفتگو کرتے ہوئے ایک عجیب لطیفہ بیان کیا۔ کہ اس عالم مین باتفاق عقلائے دنیا اچھی چیزین کم ہین اور بُری زیادہ۔ تمام طبقات عالم مین یہ کلیہ مشاہد ہے بالخصوص انسان مین تو بہت ہی واضح ہے۔ دنیا کی تمام مردم شماری کے ساتھہ جب اہل علم وفضل اور کسی طبقہ کے اہل کمال اور صائب الرائی لوگون کا موازنہ کیا جاتا ہے تو ہزار مین ایک بھی بمشکل نکلتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا مین بیوقوف اور ناتجربہ کاردن کی بہت کثرت ہے اور عقلاء وتجربہ کارون کا سخت قحط۔ لہذا کثرت رائی کا فیصلہ اکثر حماقت اور بے وقوفی کے فیصلہ کا مرادف ہوگا۔

اور حقیقت یہی ہے کہ ذرا سے غور کرنے پر یہ بات مشاہد ہو جاتی ہے کہ کسی رائے کے صواب اور قابل عمل کیلئے کثرت کا اس کی طرف ہونا ہرگز معیار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کثرت و قلت کو اس سے کچھ تعلق ہے۔ ایک ماہر اور تجربہ کار انسان کی تنہا رائے ایسے سیکڑوں انسانوں کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے جنھیں مہارت و تجربہ نہیں۔

الغرض رائے کی خطا و صواب معلوم کرنے کیلئے کثرت کی طرف جانا بالکل عقل سلیم کے خلاف ہے۔ البتہ کثرت رائے پر عمل کرنے میں ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ اس سے بظاہر نزاع قطع ہو جاتا ہے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملتا کہ امیر نے کسی فریق کی جانب داری کی۔ لیکن اس نزاع اور پھر قطع نزاع کی صورت و ضرورت جبھی پیش آتی ہے جبکہ لوگوں کے قلوب آجکل کی بے معنی آزادی سے متاثر ہوں کہ انھیں اپنی رائے چھوڑ دینا اور خلق اللہ کے مفاد پر اپنی شخصی رائے کا ایثار کر دینا مصیبت گذرتا ہو اور ہر شخص اپنے آپ ہی کو متبوع و مطاع سمجھتا ہو۔

مگر جس مذہب کی تمام تعلیم کا خلاصہ ایثار و اخلاص اور تواضع و مسکنت ہو اسکو کیا ضرورت ہے کہ یہ صورت اختیار کرے جو لوگ اس تعلیم سے متاثر ہوں گے وہ تو اپنی رائے کے خلاف پر بھی بعد حکم امیر اسی طرح راضی ہوں گے جس طرح موافقت پر۔ اور جو لوگ اس سے متاثر نہیں انہیں سلطنت کی قوت متاثر کرے گی۔

خلاصہ یہ کہ کثرت رائے کو ترجیح دیدینا در حقیقت قرعہ کی مثال ہے کہ اس سے نزاع ایک حد تک قطع ہو جاتا ہے۔ لیکن وضوح حق کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ پس الحمد للہ ثابت ہو گیا کہ نظام عالم کی درستی کے لئے کثرت رائے پر فیصلہ کرنا ہرگز ہرگز مفید نہیں ہے۔

آزادی اور غلامی کا بے معنی راگ

حیرت ہے کہ موجودہ زمانہ کے روشن خیال حضرات اطاعت امیر کو غلامی کہتے ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں موجودہ جمہوریت کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جمہوریت آزادی خیال اور حریت کی حامی ہے۔ لیکن اگر ذرا عقل سے کام لیں تو اس بارہ میں دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ کیونکہ اطاعت امیر اگر آزادی کے خلاف اور ایک گونہ غلامی ہے تو پارلیمنٹ یا ممبران کونسل کی اطاعت میں کونسی فضیلت ہے کہ اس کو غلامی نہ کہا جائے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ خلافت اسلامیہ میں تمام رعایا دان کے قول پر) ایک شخص کی غلام بنتی ہے تو یہاں جمہوریت

ہیں اس آدمیون کا غلام بننا پڑتا ہے - کیونکہ جس طرح اسلامی خلافت مین امیر کے خلاف کسی شخص
کو کوئی حرکت کرنے کی اجازت نہین اسی طرح جمہوریت مین بھی ممبران مجلس مین سے اکثر نے جو فیصلہ
کر دیا وہ ہی سارے ملک کو ماننا پڑتا ہی اگرچہ سب کی رائے کے خلاف ہو - اُسوقت ان آزاد
خیال احرار سے کوئی پوچھے کہ یہ کونسی آزادی ہے جس کی خاطر اصول اسلامیہ کو چھوڑا جاتا ہے -
آزادی اور حریت تو جب تھی کہ آپ اپنی اپنی رائے کے پابند ہوتے - اور جو چاہتے کرتے - الغرض اگر آزادی
کے یہ معنی ہین کہ انسان جو چاہے کرے اور اپنی رائے کو کسی وقت نہ چھوڑتے تو جب تک آدمی کسی
سیاست و نظام کا پابند ہو اسکو آزاد کہنا بالکل بے معنی ہی - نہ شخصیت کے ماتحت رہکر ایسا
آزاد ہو سکتا ہی اور نہ جمہوریت کے ماتحت - اور اگر آزادی اور آزاد خیالی کا مفہوم یہ ہی کہ ہر شخص اپنی
رائے پیش کرنے مین آزاد ہے تو یہ آزادی دونون صورتون مین کہین نہین جاتی اور جس طرح جمہوریت
مین اس کی رائے سُنی جاسکتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ٹھنڈے دل سے اسلامی خلافت
کا دروازہ اسکے لئے کھلا ہوا ہی - بلکہ اگر حالات کی تفصیل پر نظر ڈالی جائے تو موجودہ جمہوریت مین
آزادی رائے کا نام نہین سارے ملک مین سے صرف چند ممبرون ہی کو اہل الرائی قرار دیا ہی اور
یہی وجہ ہے کہ اگر رعایا کے افراد مین سے کوئی شخص نہایت تجربہ کار اور ماہر سیاست عالم فاضل
اپنی رائے پیش کرنا چاہے تو اگر یہ باضابطہ ممبر نہو تو اس کی رائے کو کوئی رائے ہی نہین سمجھا جاتا
اور نہ قصر جمہوریت تک اس غریب کی آواز پہنچ سکتی ہے - بلکہ اگر قانون انتخاب ممبران کو دیکھا
جائے تو اکثر ایسے شخص کو ممبری مین بھی قبول نہین کیا جاسکتا - کیونکہ وہان تو ممبری کا مدار کثرت
مال اور حیثیت اور جائداد وغیرہ پر ہے - گویا اہل الرائی اور عاقل کی تعریف جمہوریت کے قانون
مین یہ ہے کہ زیادہ پیسہ والا ہو - یا للعجب کثرت مال کو اہل الرائی اور صائب الفکر ہونے سے
کیا تعلق - بلکہ اقوام عالم کا اکثری تجربہ بالکل اس کے خلاف ثابت کرتا ہی کہ مالداری کی ہوس
اور ثروت کا نشہ انسان کے قوی دماغیہ پر عموماً اس طرح چھا جاتا ہی کہ اسے دوسرون کے راحت
و آرام کی مطلق پروا نہین رہتی -

الغرض جمہوریت کے قانون مین رائے پیش کرنے کا بھی صرف وہی شخص مجاز ہے جس کی
گرہ مین ٹکے زیادہ ہون چاہے دماغ عقل سے خالی ہو - اور پھر رائے پیش کرنیکے بعد وہ بھی

آزاد نہین بلکہ کثرت کے فیصلہ کا پابند ہی چاہے اس کے موافق ہو یا مخالف۔
بخلاف اسلامی خلافت کے کہ وہان آزادی رائے مین مساوات کا کھلا ہوا اعلان ہے اور جو شخص اپنی رائے کسی معاملہ مین پیش کرنا چاہے اس کو ٹھنڈے دل سے سُنکر اُس پر بھی اسیطرح غور کیا جاتا ہے جس طرح ممبران شوریٰ کی رائے پر۔ فرق صرف اتنا ہی کہ مدار کار ممبران شوریٰ کی رائین ہوتی ہین۔ اور ان سے مشورہ طلب کرنا ضروری ہوتا ہی دوسرون سے طلب کرنا ضروری نہین۔ لیکن اگر وہ خود پیش کرنا چاہین تو کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہین۔
اس سے ثابت ہوا کہ جو حقیقی آزادی رائے اسلامی خلافت مین ہے نہ موجودہ جمہوریت مین پائی جاتی ہے اور نہ سلوک عجم کی شخصیت مین اور اسی سے ہمارا اصلی دعویٰ بھی بحمد اللہ ثابت ہوگیا کہ

خلافت اسلامیہ نہ موجودہ جمہوریت کا نام ہی نہ شخصیت کا

بلکہ وہ ان دونون کے درمیانی ایک معتدل اور محکم قانون کا نام ہے جو نظام عالم کی اصلاح کیلئے بہترین کفیل ہے۔ جس مین ایک حد تک تمام رعایا کو حقوق مساوات دیے گئے ہین۔ مگر ساتھ ہی فرق مراتب کو بھی ہاتھ سے نہین دیا گیا۔ بلکہ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے انسان کے لئے کچھ حدود مقرر کی ہین۔ اپنی حدود مین ہر شخص مکمل آزاد ہی۔ البتہ اس حد سے آگے آزادی دینا چونکہ دوسرون کے حقوق ضائع کرنے کا مرادف اور نظام عالم کے خلاف ہے اس لئے بالکل شتر بے مہار بھی نہین کر دیا گیا۔ اگر ایک طرف تمام رعایا پر اطاعت امیر فرض کی تو دوسری طرف رعایا کے ہر چھوٹے بڑے کو اس کا بھی حق دیا کہ اگر امیر کو کوئی کام خلاف شرع کرتا ہوا دیکھے تو آداب امر بالمعروف کا لحاظ رکھتے ہوئے صاف صاف اسکو غلطی پر متنبہ کر دے۔
اگر ایک طرف تمام اموال مسلمین اور بیت المال پر تنہا امیر کے تصرف کو نافذ فرمایا۔ تو دوسری طرف یہ بھی قاعدہ رکھا گیا کہ امیر بھی بیت المال کے لئے مثل ایک ملازم کے ہے اور صرف اسقدر اپنے لئے لے سکتا ہے کہ توسط کے ساتھ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا خرچ چلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین اور مابعد کے خلفاء کے مجموعی مصارف ایک متوسط الحال فرد رعایا سے نہین بڑھتے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت اور ملوکیت مین فرق کا معیار ہی یہ رکھا ہے۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے دریافت کیا

کہ "مین پادشاہون یا خلیفہ"، اُنہون نے جواب دیا کہ اگر آپ بیت المال کا کوئی درہم بے جگہ صرف کرتے ہین تو خلیفہ نہین بلکہ پادشاہ ہین اور اگر اس کے ایک ایک پیسہ کو ٹھکانے لگاتے ہین تو خلیفہ ہین۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی)۔

یہ ہے حقیقی جمہوریت کی روح جسکو اسلام نے اور صرف اسلام نے ہی مضبوط پکڑا ہے۔ دنیا کی جمہوریتین جس مساوات کے دعوی کرتی ہین اسلام نے اسکو عمل سے دکھلایا ہے۔ آج یورپ کو اپنی جمہوریت اور اس کی ماتحت رعایا کی آمد و خرچ مین کیا نسبت ہے کچھ عرصہ گذرتا ہی کہ مین نے اخبارات مین دول یورپ اور اس کے امراء دولت کے مصارف کی فہرست پڑھی تھی۔ جس کو دیکھکر حیرت مین رہگیا کہ جس کی رعایا مین ہزارون انسان بھوک اور فاقہ سے ہلاک ہو رہے ہون اور بُری سے بُری غذا سے بھی پیٹ نہ بھر سکتے ہون اس کا حکمران بادشاہ اسطرح سونے مین کھیلتا ہی اور پھر مساوات کا دعویٰ اور زیادہ حیرت انگیز ہے۔

اخبار انقلاب لاہور مورخہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ بعض یورپین تاجدارون کے مصارف کی فہرست چھپی تھی جس کا اجمالی نقشہ درج ذیل ہے۔ ط رسالہ جمہوریت فی الاسلام صفحہ ۳۲

شاہ سیام،	۳۵ لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ جاپان،	۲۲½ لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ اٹلی،	۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ہسپانیہ،	۱۸ لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ برطانیہ،	۲۹ لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ہیولڈن،	۵ لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ رومانیہ،	۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ڈنمارک،	۳ لاکھ روپیہ سالانہ

شاہ ناروے۔ ۲½ لاکھ روپیہ سالانہ

اور بعض رپوٹون سے معلوم ہوتا ہی کہ شاہ انگلستان کے ماہواری مصارف ستر لاکھ پچاس ہزار روپیہ ہین۔ حسب تفصیل ذیل ہین۔

جیب خرچ۔ ایک لاکھ دس ہزار پونڈ ماہوار	محلات شاہی کی آرایش کیلئے۔ بیس ہزار پونڈ ماہوار
ملازمون کی تنخواہ۔ ایک لاکھ پچیس ہزار آٹھ سو پونڈ "	انعامات وخیرات کیلئے۔ تیرہ ہزار دو سو پونڈ "
گھر کا خرچ۔ ایک لاکھ ترانوے ہزار پونڈ "	متفرق اخراجات۔ آٹھ سو پونڈ "
میزان کل مصارف۔ ۴۷۰۰۰۰ پونڈ ماہوار	بحساب روپیہ۔ ۷۰۵۰۰۰۰ روپیہ

استخارہ

جیسا کہ تعلیمات اسلام کے آغاز میں لکھا گیا تھا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کی دو کڑیاں اسوقت ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہیں۔ مشورہ و استخارہ حسب وعدہ مشورہ کی بحث الحمد للہ کافی تفصیل و تحقیق کیساتھ ناظرین تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا دوسرا حصہ "استخارہ" اتنا تفصیل طلب نہیں۔ اسلئے باختصار اسکو ضروری احکام لکھنے کے بعد اس سلسلہ کو سردست ختم کیا جاتا ہے۔

استخارہ کے معنی لغت میں طلب خیر کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اُس دعا کو کہتے ہیں جو کسی معاملہ کے مفید یا مضر ہونے میں تردد پیدا ہوجانے کی صورت میں حق تعالے کی بارگاہ میں کیجاتی ہے۔ تاکہ تردد زائل ہو کر ایسی جانب متعین ہوجائے جس میں فائدہ ہو۔ اور نماز استخارہ وہ نفل نماز ہے جو اس دعا سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔

استخارہ درحقیقت مشورہ ہی کی ایک خاص نوع ہے۔ کیونکہ جسطرح مشورہ اپنے ابنائے جنس اور اقران و امثال سے اسلئے کیا جاتا ہے کہ تردد زائل ہو کر ایک جانب متعین ہوجائے اسیطرح استخارہ گویا جناب علیم و خبیر سے بطور مشورہ تاکہ معاملہ کی جو جانب حق تعالے کے علم میں بہتر اور خیر ہو وہ ہی متعین ہوجائے۔

کیونکہ انسان کتنا ہی عاقل و زیرک اور تجربہ کار ہو۔ بہت مرتبہ رائے میں غلطی کرتا ہے اور مفید کو مضر یا مضر کو مفید۔ دوا کو مرض اور مرض کو دوا سمجھ بیٹھتا ہے۔ اسی مضمون کو قرآن عزیز میں اسطرح بیان فرمایا گیا ہے۔

عسى ان تكرهوا شيئا وهو خير لكم وعسى ان تحبوا شيئا وهو شر لكم

عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمھارے لئے بہتر ہو اور یہ بھی عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو اچھا جانو حالانکہ وہ تمھارے حق میں بری ہے۔

اسلامی تعلیمات کے وہ گرانمایہ اصول جو انسان کی دنیا و آخرت اور معاش و معاد کی درستی کے کفیل ہیں استخارہ بھی انھیں سے ایک زریں اصول ہے مضمون سابق میں آپ حدیث نبوی کا یہ جملہ پڑھ چکے ہیں۔

ما خاب من استخار ولا ندم من استشار ولا عال من اقتصد (رواہ الطبرانی عن انس کنز ۱۲۲)

جو استخارہ کرتا ہے وہ ناکامیاب نہیں ہوتا۔ اور مشورہ کرتا ہے وہ نادم نہیں ہوتا اور جو مصارف میں متوسط چال چلتا ہے وہ محتاج و فقیر نہیں ہوتا۔

اس ایک مختصر حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تین اہم اور نہایت مفید چیزوں کی تعلیم فرمائی ہے۔

(۱) اہم کاموں میں مشورہ لینا (۲) استخارہ کرنا (۳) بخل و اسراف کے درمیان متوسط چال رکھنا۔

اور دوسری حدیث میں ہے۔

من سعادة ابن آدم استخارته الله ومن سعادة المرء رضاه بما قضى الله ۔ ومن شقاوة ابن آدم ترکه استخارة الله ومن شقاوة ابن آدم سخطه بما قضى الله له (رواہ الترمذی والحاکم عن سعید کنز ص ۱۴۴ ج ۴) +

اللہ تعالے سے استخارہ کرنا آدمی کی نیک بختی کی علامت ہے ۔ نیز اللہ کے حکم پر راضی رہنا بھی اس کیلئے سعادت ہے ۔ اور ترک استخارہ بدبختی کی علامت ہے ۔ اور اللہ کے حکم سے ناراض ہونا بھی شقاوت ہے ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں دعا استخارہ کی اس طرح تعلیم فرماتے تھے جسطرح سورت قرآن کی تعلیم فرمایا کرتے تھے ۔ اور تمام کاروبار میں استخارہ کرنے کی تاکید فرماتے تھے (احیاء العلوم مصری ص ۱۸۵ ج ۱) ۔

بعض حکماء کا مقولہ ہے کہ جسکو منجانب اللہ چار چیزیں عطا ہو جائیں ۔ وہ چار چیزوں سے محروم نہ رہیگا ۔ یعنی جسکو حق تعالے شکر کی توفیق عطا فرمائیں وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہیگا ۔ اور جسکو توبہ کی توفیق دیدی جائے وہ قبولیت سے محروم نہ ہوگا ۔ اور جسکو استخارہ کیطرف متوجہ کر دیا جائے وہ صحیح رائے اور بہترین نتیجے سے محروم نہ کیا جائیگا ۔ اور جسکو مشورہ کرنے کی عادت ہو وہ صحیح رائے کے سمجھنے میں دھوکہ نہ کھائیگا ۔

استخارہ کس کام میں کیا جائے

استخارہ کی غرض چونکہ رفع تردد ہے اسلئے ایسی ہی کاموں میں استخارہ کیا جائے جنمیں تردد ہو سکتا ہو یعنی جنمیں مفید ہونے اور برے ہونے اور مضر یا مفید ہونے دونوں کا احتمال ہو سکے اسلئے عبادات واجبہ میں استخارہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کا خیر اور بہتر ہونا متعین ہے انکے برے یا مضر ہونے کا مطلقاً احتمال نہیں اسی مضمون کو مشہور اس ضرب المثل میں بیان کیا گیا ہے ؎ درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست +

البتہ حج کیلئے اس بات میں استخارہ ہو سکتا ہے کہ کونسا برس اسکے لئے زیادہ بہتر ہے اور یہ کہ رفیق سفر اور راستہ کونسا اختیار کرے ۔

طریق استخارہ

استخارہ کیلئے لوگوں میں بہت سے طریقے تعویذ گنڈے والے عاملین کے مجوزہ مشہور ہیں ۔ جنمیں سے اکثر اگرچہ قرآن و حدیث ہی

کی دعاؤں سے مرکب ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طریقے سے بہتر کوئی طریق نہیں ہو سکتا جو خود حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ ہے۔

اسلئے ہم صرف اسی کے نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی مہتم بالشان کام کا ارادہ کرے تو اسکو چاہیے کہ اول دو رکعت نماز بہ نیت نفل پڑھے۔ عام روایات حدیث میں اسیقدر مذکور ہے (کما رواہ البخاری) اور احیاء العلوم وغیرہ کی بعض احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ اسکی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکفرون پڑھے اور دوسری میں قل ھو اللہ احد اور بہتر یہ ہے کہ دعا کے اول و آخر سات سات مرتبہ درود شریف پڑھے۔

نماز کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ (اس جگہ اپنے مقصد کو ذکر کرے یا دل میں خیال کرے) خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ۔ اَللّٰھُمَّ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُہٗ شَرًّا لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ اَوْ مَعَاشِیْ اَوْ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِہٖ (رواہ احمد والبخاری عن جابر کذا فی الکنز صفحہ ۱۲۸)۔

ترجمہ۔ اے اللہ میں تیرے علم سے استخارہ کرتا ہوں (یعنی اپنے کام میں جانب خیر متعین کرنا چاہتا ہوں) اور تیری قدرت کاملہ سے قدرت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور تیرے عظیم الشان فضل کی بنا پر تجھسے درخواست کرتا ہوں۔ اسلئے کہ تو قدرت رکھتا ہے اور مجھے کچھ قدرت نہیں اور تجھے علم ہے مجھے کچھ علم نہیں تو ہی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اسجگہ اپنے مقصد کو ذکر کرے) میرے لئے بہتر ہے میرے دین میں اور معاش میں اور آخرت وعاقبت میں تو اس کام کو میرے لئے مقدر فرمادے۔ اور مجھپر آسان کر دے۔ اور پھر میرے اس کام میں برکت عطا فرما۔ یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے دین یا دنیا یا انجام کار میں اچھا نہیں مجھے اس کی طرف سے پھیر دے اور اسکو مجھسے پھیر دے اور میرے لئے خیر اور بھلائی کو مقدر فرمادے جہاں کہیں ہو اور پھر مجھے اس چیز پر راضی کر دے جس میں میری بھلائی اور بہتری ہے۔

اسی طرح سات مرتبہ استخارہ کرنے کے بعد سب سے اول جس جانب قلب کا میلان دیکھے اس پر بلا تامل عمل کرے
کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی میں خیر ہوگی۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا هممت بامر فاستخر ربك فيه سبع مرات ثم انظر الى الذى يسبق الى قلبك فان الخير فيه۔ رواہ ابن السني فی عمل الیوم واللیلۃ +	جب کسی کام کا ارادہ کرو تو سات مرتبہ اپنے پروردگار سے اس کے بارہ میں استخارہ کرو پھر دیکھو کہ سب سے پہلے قلب میں کیا خیال آتا ہے۔ جو خیال آئے اسی میں خیریت ہے۔

دوسرا مختصر طریقہ

اگر کام میں عجلت ہے اور اتنی مہلت باقی نہیں رہی استخارہ مذکورہ کر سکے تو کام شروع کرنے سے پہلے
گیارہ مرتبہ دعاء ذیل پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ خِرْ لِيْ وَاخْتَرْ لِيْ۔ کنز العمال } یا اللہ میرے لئے خیر کر اور جو صورت بہتر ہو اسکو ظاہر فرما۔

اور پھر جس طرف قلب کا میلان دیکھے عمل کرے، انشاء اللہ تعالےٰ وہی بہتر ہوگا۔

حق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس اسلامی تعلیم پر عمل کرے تو کبھی اور کسی حال میں پریشان نہو۔ لیکن افسوس ہے
کہ آج ہم اپنے کاروبار میں ہر بچے اور بڑے سے مشورے کرتے ہیں اور ظاہری تدبیروں اور انکی فکروں میں ہزاروں
پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ مگر چند منٹ اس سنت حسنہ کیلئے صرف نہیں کئے جاتے اور اسی لئے اکثر تدبیریں ہماری
پریشانیوں میں اضافہ کا سبب ہو جاتی ہیں۔

استخارہ کی بحث میں اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہوئے حق تعالےٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو سچا
مسلمان بنادے اور ان تعلیمات اسلام کا نمونہ عمل بنا کر غیروں کے لئے شمع ہدایت بنائے وما ذلک
علی اللہ بعزیز۔ وعلیہ التکلان وھو المستعان +

کتب خانہ قاسمی دیوبند کے چند علمی جواہر ریزے

کائنات روحانی ۔ از رئیس القلم جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی پروفیسر جامعہ عثمانیہ دکن جسمیں ثابت کیا گیا ہے کہ عالم جسمانی کیلئے جیسا کہ زمین باعث زندگی و نجات ہے اسیطرح کائنات روحانی کے لئے قرآن حکیم کی تعلیم باعث زندگی و نجات ہے ۔ نہایت پُرزور تقریر ہے کاغذ اعلیٰ و ٹائٹل نہایت خوبصورت رنگین ۔ قیمت ۵ر

سوانح ابوذر غفاریؓ ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عالمانہ و محققانہ سوانح جسمیں واقعات زندگی ایام جہالت و اسلام اور اسلام کے زمانہ کی آپ کی تمام وہ کیفیات کہ جو تمام صحابہ میں ممتاز ہیں از رئیس التحریر مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صفحات ۱۲۵ کاغذ کتابت نہایت عمدہ ٹائٹل دیدہ زیب رنگین ۔ (قابل دید کتاب ہے) عمر

اخلاق محمدیؐ ۔ تمام مباحث دینی و دنیوی کے بارہ میں جتنی قرآن میں آیات اور احادیث موجود ہیں سب کو ابواب وار مدون کیا ہے واعظین و مناظرین ۔ مصنفین و مولفین اور عام لوگوں کیلئے بھی نہایت مفید کار آمد ہے ۔ چار حصوں میں طبع ہوئی ہے قیمت فی حصہ ۴ر

سجود الشمس جامع المعقول والمنقول جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا معرکۃ الآراء مختصر رسالہ کہ جسمیں فلسفہ سجدہ شمس زیر عرش کو مطابق کتاب اللہ و احادیث نبویہ ثابت کیا ہے ۔ قیمت صرف ار

عظمت الوحی ۔ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ کا وہ معرکۃ الآراء مضمون کہ جو القاسم دور قدیم میں شائع ہو چکا ہے جسمیں وحی کی تقسیم اور اسکے متعلق جملہ مباحث کو نہایت انوکھے انداز میں بیان فرمایا ہے ۔ ۲ر

قصیدۂ لامیۃ المعجزات ، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ العالی ناظم دار العلوم کا فصیح و بلیغ قصیدہ جسمیں دنیا کی بے ثباتی اور بعثت نبوی سے پہلے کی عام گمراہی کی حالت اور آں حضورؐ کی بعض شمائل مبارک مع ایک سو معجزات کے درج ہے مع شرح اردو از مولانا اعزاز علی صاحب ۱۲

الاسلام ، حقانیت اسلام پر جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی وہ مشہور و معروف تصنیف کہ جو آج قبولیت عامہ و تامہ حاصل کر چکی ہے ۔ اصول اسلام کے تمام مسائل پر محققانہ بحث ہے ۔ ۶ر

العقل والنقل مولانا موصوف کی معرکۃ الآراء تصنیف کہ جسمیں دلائل ثابت کیا گیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا ۔ ۱۰

الفاظ مترادفہ مؤلفہ امام ابو الحسن علی ابن عیسیٰ الرمانی متوفی ۳۸۴ھ یہ کتاب طلباء عربیہ کیلئے نہایت مفید ہے علامہ مصنف نے الفاظ مترادفہ کو مختلف فصلوں میں بیان فرمایا ہے یہ کتاب مع شرح محمود رافعی مصر میں چھپی تھی انتفاع عام کے لئے مطبع نے اس کو طبع کیا ہے ۔ قیمت بھی بہت کم ہے ۔ ۲ر

تقریر دلپذیر ۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات کی وہ عجیب و غریب تصنیف کہ جسمیں دین اسلام کے اصول کی حقانیت عقلی طور سے ثابت کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ دنیا میں نجات دہندہ اگر کوئی دین ہے تو وہ صرف اسلام ہے یہ کتاب مطبع مجتبائی میں چھپی تھی اس مرتبہ نہایت اہتمام کیساتھ مطبع قاسمی میں باضافہ عنوانات و فہرست مضامین طبع ہوئی ہے ۔ عہ

علاوہ مذکورہ کتابوں کے ہر قسم کی درسی و غیر درسی کتابیں اور ہر قسم کے کلام مجید و حمائلیں مترجم و غیر مترجم پتہ ذیل سے بکفایت مل سکتے ہیں ۔

ملنے کا پتہ — منیجر کتب خانہ قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور